قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی
دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زیدت معالیھم
استاذ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر
عبدالرزاق بنگلوری

نائب مدیر
مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری

ناشر
مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۲	شمارہ:۱۴	ماہ اگست ۲۰۲۲ء	ماہ محرم ۱۴۴۴ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover)	6000/-
Full Page (Title Inner Cover)	5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages)	2000/-
Half Page (Inside Pages)	1000/-
Cuarter Page (Inside Pages)	500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست مضامین

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	ملک کے نوجوانوں کا مستقبل اور چیلنجز	عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ قرآن	درس سورۂ بقرہ (قسط دوم)	مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری	۸
درسِ حدیث	اللہ کے نزدیک دنیا کی اہمیت	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۱۴
تذکرۂ صحابہؓ	سیرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ (قسط پنجم)	مفتی محمد عمران صاحب قاسمی	۲۰
اصلاحِ معاشرہ	سنی سنائی باتوں پر یقین	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۲۴
// // //	علماء اور دینی خدام کا باہمی حسد	مفتی محمد اسجد صاحب ندوی قاسمی	۲۸
// // //	صحت وعافیت عظیم نعمت	مولانا محمد اویس صاحب رشادی	۳۲
// // //	آثارِ قیامت (قسط سوم)	مفتی عبدالغفار صاحب بنگلوری	۳۸
// // //	میناروں سے مہکتی اذاں کی خوشبو	مولانا جواد احمد خان رشادی	۴۳
تذکرۂ اولیاءؒ	یادگار سلف حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ	مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری	۴۷
کارگزاری	سرورِ کونینؐ کے دربار سے بارگاہِ ربِّ ذوالجلال تک	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۵۶

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کر سکتے ہیں، **جزاکم اللہ خیراً وأحسن الجزاء.**

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com
Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

اداریہ

ملک کے نوجوانوں کا مستقبل اور چیلنجز

از: عبدالرزاق بنگلوری

گزشتہ دو تین صدی سے امتِ مسلمہ کے نوجوان طبقے پر بیتے ہوئے ایام کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجائے گی کہ اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو مسخ کرنے کی جو مہم چلائی جارہی ہے، اُس میں روز افزوں ترقی ہوتی جارہی ہے، اس میں سب سے بڑی سازش یہ رچی جارہی ہے کہ امتِ مسلمہ کے نوجوان طبقے کو دینِ حق سے دُور کیا جائے اور جب دین سے محبت کا خاتمہ ہوجائے گا تو پھر باطل طاقتوں کے جال میں نوجوان بہت ہی آسانی کے ساتھ پھنس جائے گا، بالخصوص عوام الناس کے اندر سے جذبۂ اخلاص ومحبت وعقیدت اور شعبۂ اخلاق وجذبۂ اخوۃ کو برطرف کیا جارہا ہے۔

ہم تو وہ ہیں جس کا ایک سِرا براہِ راست نبوتِ محمدیؐ سے اور دوسرا سِرا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی سے ملتا ہے، ہم تو صفۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے والے ان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیروکار ہیں، جنہوں نے بھٹکتی انسانیت کو ہدایت کی راہ دکلائی اور سسکتی انسانیت کو تسکینِ قلب عطاء کی اور اخلاق وکردار کے وہ اعلیٰ ترین روایات قائم کیے، جنہیں آج تک کسی انسان نے سوچا بھی نہ تھا۔

نوجوانوں کا علماء سے ربط وتعلق:

دینِ اسلام پر چلنا ہمارے لیے فلاحِ دارین ہے؛ لیکن ہم نے مدارس سے رشتہ توڑ لیا اور ہماری مساجد سے وابستگی ختم ہوگئی اور علماءِ کرام سے ہم نے کنارہ کش اختیار کرلی؛ حالانکہ انھیں علماء کا مقام ومرتبہ بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ﴾ (ترجمہ): ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور علم والوں کا درجہ بلند کرتا ہے''، اس آیت کے ذریعہ ان کی رفعتوں اور بلندیوں میں چار چاند لگادیے۔ ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ (ترجمہ): ''اور ہم نے ان کو امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھلاتے ہیں''، اس کے ذریعہ انھیں امامت ورہبری کی سند عطا کردی گئی، اور حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: ''مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ'' (ترجمہ): ''جو

آدمی علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں''، اِس حدیث پاک کے ذریعہ ہادیٔ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سفرِ علم کو جنت کا راستہ قرار دیا گیا، آج ہم انھیں علماء کی شان میں گالیاں بک رہے ہیں اور انھیں علماء کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جارہا ہے، پھر کہاں سے ہمیں علم حاصل ہوگا، جب ہمارے اندر علم ہی نہیں تو پھر ہم دین کے ایک بنیادی شعبہ سے محروم رہیں گے، پھر ہماری زندگیوں میں دین کہاں باقی رہے گا؟ حالانکہ آج ضرورت ہے ضلالت وگمراہی سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں داخل ہونے کی، آج ضرورت ہے اپنے باطل فکری اعتقاد کو دینی حمیت وجذبۂ اخوت کی طرف پھیرنے کی۔

نوجوانوں میں دینی بیداری کی ضرورت:

آج پوری امتِ مسلمہ کے نوجوانوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے، خود پرستی کا جنون سب پر سوار ہے، انسان کی جان ومال، عزت وآبرو کا احترام تیزی کے ساتھ رخصت ہورہا ہے، آج اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی زبردست مہم چلائی جارہی ہے، الغرض! ہمیں خوف کس چیز کا رہ گیا ہے؟ ہماری غیرت وحمیت کو کس نے لوٹ لیا ہے؟ اور ہمارا جوشِ ایمانی کہاں دفن ہوگیا ہے؟ دینِ اسلام لُٹتا جارہا ہے، ہمیں نیند کیسے آرہی ہے؟ کیا ہم اپنی عظیم دینی درسگاہوں اور خانقاہوں کی آہ وفغاں کو سُن نہیں رہے ہیں؟ ہم اپنے اکابرین واسلاف کے کردار کو بھول کیسے گئے ہیں؟ کیا اپنے اساتذہ کی دل کی دھڑکنیں ہمیں تڑپا نہیں رہی ہیں؟ کیا ہمیں اپنے وطن کے مظلوم ومجبور لوگوں کی آہیں رُلا نہیں رہی ہیں؟ کیا ہم اپنی کتابوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بے چینی واضطراب کو پڑھ نہیں رہے ہیں؟ کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دینی حمیت وخودداری ہمارے سامنے نہیں ہے؟ جب ہمارے مدارس ومکاتب تباہ وبرباد ہوجائیں گے تو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری باتیں کہاں سنیں گے؟ کیا جب پوری امت مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر ارتداد کے گڑھے میں جا گرے گی، تب ہم اُٹھیں گے؟ آخر ہمیں کس چیز کا انتظار ہے؟

میدانِ محشر:

اگر کل میدانِ محشر میں باری تعالیٰ ہم سے پوچھ ڈالے کہ بتاؤ! جس دین کی خاطر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گلے میں چادریں ڈال کر صحنِ کعبہ میں گھسیٹا گیا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فاقہ کشی کر کے راتوں کی راتیں گزار دیں؛ مگر اپنی رعایا اور نبی کی امت کو تکلیف نہ پہنچنے دی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو گھر میں بند کر کے بھوک وپیاس سے تڑپا تڑپا کر خارجیوں نے شہید کر ڈالا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِعلاءِ کلمۃ اللہ کی

خاطر اپنے تن من دھن کی بازی لگادی، اور ستر جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ اُحد میں اپنی جانیں قربان کردیں، اور بالآخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وطنِ عزیز مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی امت کی فکر اور دین کے تحفظ اور اسلام کے بقاء کے لیے بے چینی و بے قراری میں گزاری، بتاؤ! تم نے اس دین کی کیا خدمت کی ہے؟ تو اس وقت ہمارا کیا جواب ہوگا؟

نوجوان طبقہ اپنی قوم میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، ان کے اندر بگاڑ آ گیا تو اس قوم کی خیر نہیں، اگر یہ نوجوان طبقہ دیندار، بااخلاق و باکردار، تعلیم یافتہ بن جائے تو اسلام کا صحیح نمائندہ وترجمان بن جاتا ہے، اور اگر یہی طبقہ بے دین، بداخلاق و بدکردار بن جائے، تعلیم سے لاپرواہ ہوجائے، تو پورے ملک ومعاشرہ کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

نوجوان یہ قوم کا معمار ہوتا ہے:

آپ دیکھیں تو قرآنِ مجید نے آنے والی نسلوں تک کے لیے نوجوانوں کی ضرورت کو بیان کیا اور سنتِ نبویہؐ میں بھی ان باکردار نوجوانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایمان لانے والے، دین کی حفاظت کرنے والے، صالح نوجوانوں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ (الکہف:۱۳) ''اصحابِ کہف یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انھیں ہدایت سے نوازا''۔

اِسی طرح سورۂ ممتحنہ آیت نمبر:۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ﴾ ''تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام بہترین اُسوہ ونمونہ ہیں''۔

وہی ابراہیم علیہ السلام جنھوں نے کفر کے ایوان میں زلزلہ برپا کردیا تھا اور پوری قوم کہہ پڑی تھی: ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرَاهِيْمُ﴾ (سورۂ انبیاء، آیت:۶۰) ''قوم نے کہا کہ: ہم نے ایک نوجوان کا تذکرہ سنا جسے لوگ ابراہیم کہتے ہیں''۔

حضرت یوسف علیہ السلام ایک نوجوان ہی تھے، جن کے حسن و جمال پر عزیزِ مصر کی بیوی نے فریفتہ ہوکر شہوت کی دعوت دیتے ہوئے کہا: ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ جواباً کہا: ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾.

ٹھیک اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانوں پر خاص توجہ دی اور ان کا مقام ومرتبہ بتایا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بااخلاق و باکردار نوجوانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ''. (صحیح بخاری:۶۶۰)

عرشِ الٰہی کے سائے میں سات خوش نصیب لوگ ہوں گے، جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا، ان خوش نصیبوں میں ایک طبقہ نوجوان کا ہوگا، جن کی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزری۔ کاش! آج کے نوجوان اللہ کی عبادت وبندگی کرتے اور اپنے آپ کو بلند مقام تک لے جانے کی کوشش کرتے، ان جوانیوں کو ضائع وبرباد ہونے سے بچاؤ؛ ورنہ کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں
جب بُڑھاپا آ گیا کچھ بات بن سکتی نہیں

نوجوانوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے اس خاص مرحلے جوانی کی اہمیت اور مسئولیت کے تعلق سے فرمایا:

''**اغتنم خمسا قبل خمس، منها: شبابک قبل هرمک**''. (المستدرک للحاکم:۳/۸۴۶)

''اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جان کر اس کی حفاظت کرو''۔

تاریخِ اسلام کا مطالعہ کرو، معاشرہ وسماج میں انقلاب خواہ وہ مادی ہو یا روحانی، تعمیری ہو یا تخریبی اس میں محرک نوجوان ہی رہے۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

حرفِ آخر:

ہمارے آپسی خلفشار اور تنازعات نے ہمارے مستقر پر حملہ کیا اور خواہ مخواہ ہمیں برباد کر کے رکھ دیا؛ لیکن یاد رکھیں کہ ہم ہی اس دینِ متین کے محافظ ہیں، اور نبی اُمی کی تعلیمات کے مبلغ ہیں، اور امتِ مسلمہ کے وجود وبقاء کا مدار دین کے تحفظ پر ہے؛ اِسی لیے آج ہمیں پھر سے دین کے تحفظ وبقاء کے لیے ایک ہو کر کھڑے ہونا ضروری ہے، اور اپنی غفلت کی نیند سے بیدار ہونا لازم ہے، آج تو مسءلہ کسی ایک مدرسہ یا کسی ایک جامعہ کا نہیں ہے؛ بلکہ مسئلہ تو علومِ ایمانی کے باقی رکھنے اور اسلامی تحفظ کا ہے، آج پوری انسانیت گمراہی کی طرف جارہی ہے، وہ بداخلاقی کے دَل دَل میں ڈوب رہی ہے، ایسے نازک وقت میں ڈوبتی کشتی کا ملاح بھی ہم ہی ہیں، اور امت کی شکستہ حالی کو خوش حالی میں تبدیل کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے؛ اِسی لیے آج کے اس تعطل کو ہر حال میں توڑنا ہوگا اور اس دَل دَل سے ہر حال میں نکلنا ہوگا، اور اپنے اندر برداشت کی وہ اَٹل قوت اور ہمت کا وہ پہاڑ پیدا کرنا ہوگا جس پر نہ دنیا کی کوئی شہنشاہیت غالب آسکے اور نہ ہی اس پر ملک کی کوئی بادشاہت فتح یاب ہوسکے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اے اللہ! ہم سب کو عزمِ مصمم اور پختہ ہمت عطا فرماء، کوتاہیوں کو معاف فرما اور جب محشور ہوں تو تیرے اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں اور غداروں میں نہ ہوں، جب محشور ہوں تو تیرے دین کے ان سپاہیوں میں جو آخری وقت تک دین کے تحفظ و بقاء میں لگے رہے، اور اسلام کا جھنڈا اپنے نحیف و ناتواں ہاتھوں میں لیے ہوئے آخری سانس تک اسے گرنے نہ دیا؛ تا آنکہ وہ خود گر گئے۔

❑❖❑

درسِ قرآن
قسط دوم

درس سورۂ بقرہ

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد سلمان صاحب منصور پوری، استاذِ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اٰلٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ، ھُدیً لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ، وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدیً مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾

الٓمٓ ○ اِس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ متقین کے لیے رہنما ہے۔ جو بے دیکھی چیزوں پر یقین کرتے ہیں ○ اور نماز کو قائم رکھتے ہیں، اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے (کارِ خیر میں) خرچ کرتے ہیں ○ اور وہ لوگ جو آپ پر نازل شدہ (وحی اور قرآنِ مقدس) اور آپ سے پہلے (اَنبیاء سابقین پر) نازل کردہ (کتابوں) پر اِیمان لاتے ہیں، اور آخرت کو یقینی جانتے ہیں ○ وہی اپنی رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی (درحقیقت) فلاح یاب ہیں ○

اہلِ تقویٰ کی پہچان

اَب سوال یہ پیدا ہوگا کہ متقین کے مصداق کون لوگ ہیں؟ کیوں کہ محض تقویٰ کا دعویٰ کافی نہیں ہے؛ بلکہ اُس دعوے کا ثبوت دینا ضروری ہے۔ تو اِس سلسلے میں آگے متقین کی چند بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں:

اِیمان بالغیب

(۱) اُن میں سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ: ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ (یعنی متقین وہ ہیں جو بِن دیکھے اِیمان لاتے ہیں) کیوں کہ دیکھ کر تو ہر ایک مان جاتا ہے، کمال تو جب ہے جب آدمی بِن دیکھے مانے۔ مثلاً: قیامت کو اور حشر ونشر کے حالات کو کسی نے نہیں دیکھا؛ لیکن قرآنِ کریم اور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر ہمیں اُن باتوں پر ایسا یقین ہے کہ ہم آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیزوں کو تو جھٹلا سکتے ہیں؛ لیکن معتبر نصوص سے ثابت شدہ قیامت کے اَحوال کو ہرگز نہیں جھٹلا سکتے، اُس پر ہمارا مشاہدہ سے زیادہ یقین ہے۔ اور یہی اِیمان بالغیب ہے، جس کے بغیر اِیمان معتبر نہیں ہے۔

''ابوبکر'' کیسے ''صدیق اکبر'' بنے؟

اِسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر معراج پر تشریف لے گئے، اور ایک ہی رات میں ساتوں آسمان؛ بلکہ اُس سے آگے کا سفر طے ہوگیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوگئیں، اور جنت اور جہنم کا معائنہ بھی ہوگیا، اور حیرت یہ ہے کہ لاکھوں میل کا سفر رات کے ایک حصہ میں ہی پورا ہوگیا۔ آپ علیہ السلام مسجد حرام (مکہ معظّمہ) سے اَولاً مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تشریف لے گئے، پھر سب آسمانوں کا سفر ہوا، اور واپس بھی تشریف لے آئے۔

صبح کو آپ نے جب اِس سفر کی تفصیلات بیان فرمائیں، تو مشرکین مذاق اُڑانے لگے کہ ''لو میاں! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اِس لیے کہ خود مکہ معظّمہ سے مسجد اَقصیٰ کی مسافت ایک مہینے کی ہے، اور آسمانوں کا سفر اُس کے علاوہ ہے، یہ ایک رات میں کیسے ممکن ہے؟''

کچھ لوگوں نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ تبصرہ کیا کہ ''تمہارے آقا ایسی خبریں سنا رہے ہیں، اَب تم جیسے سمجھ دار آدمی کا اِس کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

کوئی اور ہوتا تو دس بار سوچتا کہ اچھا یہ کیسے ہوگیا؟ لیکن ابوبکرؓ؛ ابوبکرؓ تھے، اُنہوں نے بغیر کسی توقف کے جواب دیا کہ ''اگر جو تم خبر دے رہے ہو وہ سچ ہے، اور حضور اکرم علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے، تو میں گواہی دیتا ہوں کہ ضرور ایسا واقعہ پیش آیا ہے، اِس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ہمارے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، ہم نے تو آپؐ کے کہنے پر جنت اور جہنم مان لی، اور قیامت اور حشر ونشر کو مان لیا، تو اِس سفر کو ماننا کیا بڑی بات ہے؟'' (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ص:۶۱۷ دار السلام ریاض)

تو یہ ہے اَصل اِیمان؛ جو شریعت میں مطلوب ہے۔ اِسی تصدیق کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب ''صدیق'' پڑا، اور آپ اُمت کے سب سے بڑے صدیق یعنی ''صدیقِ اکبر'' کہلائے۔

تو معلوم ہوا کہ اِیمان بالغیب کے بغیر تقویٰ کا اَدنیٰ سا درجہ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

نماز قائم کرنا

(۲) اُس کے بعد متقین کی دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ: ﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ﴾ (یعنی وہ نماز قائم

کرتے ہیں) اور قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آداب وشرائط کا لحاظ کرتے ہوئے پابندی کے ساتھ نماز اَدا کی جائے؛ لہٰذا جو شخص نماز کا پابند نہ ہو، اُس کی طرف سے متقی ہونے کا دعویٰ ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بس جمعہ کی نماز پڑھنا کافی ہے؛ حالاں کہ جمعہ کے مقابلے میں پنج وقتہ نماز کی اَہمیت زیادہ ہے؛ اِس لیے کہ جمعہ کے قیام کے لیے تو بہت سی شرطیں ہیں، مثلاً بڑی آبادی ہو، کم اَز کم چار اَفراد ہوں، آدمی سفر میں نہ ہو وغیرہ؛ لیکن پنج وقتہ نماز تو ہر حال میں اور ہر جگہ پڑھنی ہی پڑھنی ہے۔ سفر ہو یا حضر، گھر میں ہوں باہر، بیمار ہوں یا صحت مند، کسی حال میں نماز کی رخصت نہیں؛ البتہ یہ رعایت ہے کہ اگر کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکتے ہوں تو بیٹھ کر پڑھیں، بیٹھ کر نہ پڑھ سکیں تو لیٹ کر اِشارے سے پڑھیں۔

نماز کی معافی نہیں

ایک مرتبہ سفر کے دوران ہم نماز پڑھنے کے لیے اُترے، غالباً مغرب یا عصر کا وقت تھا، جب نماز پڑھ کر واپس آئے، تو دیکھا کہ ڈرائیور صاحب گاڑی میں اپنی سیٹ پر ہیں، اور اُنہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود نماز اَدا نہیں کی، تو ہم نے اُن سے کہا کہ ''بھائی صاحب! اگر آپ نے نماز کی معافی کا کوئی کارڈ بنوا رکھا ہو تو ہمارا بھی بنوادو، تو یہ روز روز کا مسئلہ ہمارا بھی ختم ہوجائے گا''۔

اِس پر وہ کہنے لگے کہ ایسا کارڈ تو کسی کے لیے بھی نہیں بن سکتا، نماز تو فرض ہے، وہ تو پڑھنی ہی پڑے گی۔

تو ہم نے کہا کہ جب آپ کو نماز کی فرضیت کا یقین ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی معافی کی کوئی شکل نہیں، تو نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے؟

اِس سوال پر اُنہوں نے یہ عذر کیا کہ میرے کپڑے پاک نہیں تھے۔ اِس پر ہم نے کہا کہ جو آدمی نماز کا اہتمام کرے گا تو اُس کے کپڑے ناپاک رہ ہی نہیں سکتے، کپڑے تو اُسی کے ناپاک رہتے ہیں جو بے نمازی ہوتا ہے، نماز کا پابند شخص کبھی بھی زیادہ دیر ناپاک نہیں رہ سکتا؛ حتیٰ کہ اگر اُسے غسل کی ضرورت پیش آجائے، تو جب تک غسل نہیں کرلے گا اُسے چین نہیں آئے گا۔

اِسی طرح اگر بدن پر نجاست لگ جائے تو جب تک پاک نہیں کرے گا اُس کو سکون نہیں آئے گا، تو اِس طرح کا عذر نہیں چل سکتا، یہ سب حیلے بہانے ہیں، جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

لیکن اَفسوس ہے کہ آج بہت سے مسلمان نماز سے بچنے کے لیے اِسی طرح کا عذر کرتے نظر آتے ہیں، **نعوذ باللّٰہ من ذلک۔**

صدقہ خیرات

(۳) اُس کے بعد متقین کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (یعنی ہم نے جو اُنہیں رزق دیا ہے اُس میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں)

اور خرچ کرنے کے دو درجات ہیں:

(۱) ایک درجہ فرض کا ہے، یعنی جس شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال ہو، اور اُس پر سال گزر جائے، تو حساب لگا کر زکوٰۃ کی اَدائیگی ضروری ہوتی ہے، وغیرہ۔

(۲) اور دوسرا درجہ نفل صدقات کا ہے، پھر اُس کے بھی مختلف مراحل ہیں، مثلاً: یہ کہ اَولاً اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا جائے۔ پھر اپنے رشتے داروں اور ضرورت مندوں پر صرف کیا جائے، پھر اگر بچ جائے تو دیگر مصارفِ خیر میں لگایا جائے۔ شریعت یہ نہیں کہتی کہ اپنے گھر والوں کو نظر انداز کر کے سارا مال مصارفِ خیر میں لگا دیا جائے؛ بلکہ سب کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی، تو ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اَشرفی ہے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اِس کو اپنی ذات پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ ''اگر میرے پاس مزید اَشرفی ہو تو کیا حکم ہے؟'' تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اپنی اَولاد پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ ''اگر مزید رقم ہو تو کیا مشورہ ہے؟'' تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اپنی بیوی پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ ''اگر میرے پاس مزید مال ہو تو میں کیا کروں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اپنے خادم پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے مزید مشورہ طلب کیا، تو اَب آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: "أَنْتَ أَبْصَرُ". (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة / باب في صلة الرحم رقم: ١٦٩١) (یعنی اَب تم جہاں مصلحت سمجھو خرچ کرو)

خلاصہ یہ کہ ضرورت کے مواقع پر مال خرچ کرنا اور بخل اور لالچ سے دور رہنا یہ بھی اہل تقویٰ کی ایک اہم نشانی ہے۔

وحی پر یقین

(۴) اور متقین کی چوتھی صفت یہ بیان ہوئی کہ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (یعنی جو قرآنِ کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور جو کتابیں آپ سے پہلے انبیاء پر اُتاری گئیں، وہ اُن سب پر ایمان لاتے ہیں)

اِسلام کی حقانیت کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل یہ ہے کہ وہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور اُن پر نازل کردہ کتابوں کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ اِسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ ہمارے مخالف ہیں تو ہم (نعوذ باللہ) اُن کی کتابوں کا سِرے سے انکار کردیں یا اُن کے رسولوں کی شان میں کوئی گستاخی کریں، ہمارا دین ہرگز یہ نہیں سکھلاتا؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ جن پیغمبروں کو مانتے ہیں وہ اُن سے پہلے ہمارے پیغمبر ہیں۔

سیدنا حضرتِ موسیٰ، سیدنا حضرتِ عیسیٰ، سیدنا حضرتِ داؤد، سیدنا حضرتِ سلیمان علیہم السلام، اسی طرح سیدنا حضرتِ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر انبیاء جو انبیاءِ بنی اسرائیل ہیں وہ سب ہمارے سر کے تاج ہیں، اُن کی شان میں کوئی بھی مسلمان ذرہ برابر بھی گستاخی کی جسارت نہیں کرسکتا۔

لیکن یہ یاد رہنا چاہیے کہ جب توریت نازل ہوئی تو وہ کتابِ برحق تھی۔ اِسی طرح زبور اور انجیل بھی اپنے اپنے زمانے میں قابل عمل تھیں؛ مگر قرآنِ مقدس کے نزول کے بعد سابقہ سب کتابوں کے احکامات منسوخ ہو چکے ہیں، اور اَب صرف قرآنِ مقدس اور شریعت محمدی ہی قابل عمل اور ذریعہ نجات ہے، اِس پر یقین لازم ہے۔

ختم نبوت کی ایک دلیل

یہ آیت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت پر کھلی دلیل بھی ہے؛ اِس لیے کہ اِس میں صرف قرآنِ مقدس اور اُس سے پہلے نازل شدہ کتابوں پر اِیمان کا تذکرہ ہے۔ اگر حضور اکرم علیہ السلام کے بعد بھی نبوت جاری رہنا مقدر ہوتا، تو آیت میں بعد کا بھی تذکرہ ہونا چاہیے تھا، یہ تذکرہ نہ ہونا اِس بات کا واضح اعلان ہے کہ اَب نہ کوئی رسول آئے گا، نہ کتاب نازل ہوگی اور نہ وحی اُترے گی۔ (ردمرزائیت کے زریں اُصول/مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ)

آخرت پر اِیمان

(۵) اور متقین کی پانچویں صفت یہ بیان ہوئی کہ: ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (یعنی وہ آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں)

آخرت کا عقیدہ اِسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جو صاحب اِیمان کو قدم قدم پر اپنا محاسبہ کرنے اور صحیح راستے پر قائم رہنے پر آمادہ کرتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر آخرت کی جواب دہی کا تصور نہ ہو، تو آدمی کے لیے بُرائیوں اور حق تلفیوں سے بچنا بہت مشکل ہوجائے؛ اِسی لیے قرآن وحدیث میں جابجا آخرت کی فکر رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور جنت کا شوق دلاکر اور جہنم کے عذاب سے ڈرا کر آخرت میں ''حیاتِ طیبہ'' کا مستحق بننے کی ترغیب دی گئی ہے۔

خوش خبری

مذکورہ صفات بیان کرنے کے بعد اہل تقویٰ کو یہ بشارت سنائی گئی کہ: ﴿اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدیً مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں، اور یہی لوگ فلاح پائیں گے) اور کامیاب اور بامراد ہوں گے، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

اگر ہم غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ چار آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی گزارنے کا طریقہ اور دستور پوری طرح کھول کر بیان فرمادیا ہے۔

اِس لیے ہمیں اپنے عقائد، عبادات، معاملات اور اَخلاق ومعاشرت کو درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور یہ عزم کرنا چاہیے کہ ہم خود بھی دین پر قائم رہیں گے اور اپنی نسلوں کو بھی دین پر قائم رکھنے کی فکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔

❑❖❑

درسِ حدیث

اللہ کے نزدیک دنیا کی اہمیت

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ". (ترمذي:۲/۵۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک اردنیا کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتے۔

تشریح:

اللہ کی نگاہ میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اِسی وجہ سے اللہ کے باغیوں کو بھی یہاں پانی اور دوسری نعمتیں میسر ہیں، جبکہ آخرت میں جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر و قیمت ہے کسی دشمنِ خدا کو پانی کا ایک گھونٹ نصیب نہیں ہوگا، مسلمان کی فراستِ ایمانی کی کمزوری کی وجہ اِس دنیا کی حقیقت کو سمجھ نہیں پاتا، اس کے پیچھے دوڑتا ہے، اسی کی فکر میں صبح وشام لگا رہتا ہے، اپنی خلقت و پیدائش کا مقصود دنیا کو بنالیتا ہے، اِسی وجہ سے جن کے پاس دنیا کی آسائشیں اور دولت موجود ہے، اُن کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے، ان آسائشوں کے اپنے پاس نہ ہونے پر افسوس کرتا ہے، اور ہاتھ مَلتا ہے، اور نہ جانے کیا کیا حرکتیں اور اقوال اس کی زبان سے سرزد ہوتے ہیں **الأمان والحفيظ**، جبکہ دنیا کی حقیقت کو پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی اچھے اور مختصر انداز میں سمجھایا اور بتایا ہے، فرمایا: ''دنیا مؤمن کے لیے قیدخانہ ہے''، جس طرح قیدی قیدخانہ میں پہننے، اوڑھنے، کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں پابند اور مامور ہوتا ہے، اِسی طرح ایک مسلمان بھی دنیا کی تمام چیزوں میں خدائی احکامات کا پابند ہے، کوئی کام اپنی مرضی سے کرنہیں سکتا، اپنی مرضی کا کھا پی نہیں سکتا (حلال کے استعمال کا اور حرام سے بچنے کا پابند ہے)، اپنی مرضی سے کوئی چیز انجام نہیں دے سکتا، ہر کام اور ہر معاملہ میں چاہے وہ خوشی کا ہو یا غم کا ہو، رب کی مرضی اور اس کے حکم کا پابند ہے، جو شخص دنیا میں پابند نہیں ہوگا اُس کو آخرت کی سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور وہاں کے دردناک عذابات سے اس کو کوئی چھٹکارا نہیں دلاسکتا اور ایک روایت میں ہے: ''دنیا میں ایسا کوئی مؤمن نہیں جو یا تو مال کی کمی یا بیماری اور

یا ذلّت وخواری سے خالی ہو''، اور بعض اوقات مؤمنِ کامل میں یہ سب چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔

لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا عِنْدَ اللّٰہِ إلخ: یہ حدیث اور اس جیسی احادیث میں دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی رغبت دلائی گئی ہے، دنیا کی حقیقت کو اور اس کے گدلے پن کو واضح کیا گیا ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا: ''دنیا ملعون ہے، جو کچھ دنیا میں ہے وہ ملعون ہے؛ مگر اللہ کی یاد اور وہ چیزیں جن کا اللہ کی یاد سے تعلق ہے اور عالم یا طالبِ علم؛ چونکہ دنیا اللہ سے غافل کرنے والی ہے، اور اس کی ہر چیز ذلیل ہے اور اللہ کی رحمت سے دُور ہے؛ چونکہ یہ دنیا اللہ کو، آخرت کو اور اپنے انجام کو بھلانے والی ہے، ہاں! اگر یہ دنیا اللہ کی یاد کا ذریعہ بن جائے، تو پھر وہ پسندیدہ ہے، ملعون نہیں۔ ایک اُصولی بات ذہن میں رکھنی ہوگی، جن چیزوں کا تعلق اللہ سے اور اللہ کے دین سے ہوتا ہے وہ بلاشبہ پسندیدہ ہوتی ہیں؛ اِس لیے کہ وہ اس دنیا کی چیزیں نہیں رہیں، وہ آخرت کی چیزیں ہوگئیں۔

ایک حدیث میں فرمایا: ''جائیداد مت بناؤ، پس تم دنیا کی طرف راغب ہو جاؤ گے''۔ جاگیر، جائیداد، فیکٹریاں، کارخانے جتنے زیادہ ہوں گے اُسی کی بقدر دنیا کی اہمیت انسان کے دل میں پیدا ہوگی اور وہ آخرت سے اور اپنی موت سے غافل ہوگا، جو کاروبار، جاگیرداری کے ساتھ بھی اللہ سے غافل نہ ہو وہ اس میں شامل نہیں ہے۔

دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ حدیث بہت ہی اہمیت کی حامل ہے: ''دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں بس اتنی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی اُنگلی داخل کرے تو دیکھے کہ اُس اُنگلی کو کتنا پانی لگا؟'' یعنی دنیا کی کوئی قیمت ووقعت نہیں ہے، مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس کا مقصود آخرت ہو اور آخرت ہی کی جستجو ہو، اس کی تیاری میں اپنے اوقات گزارے، دنیا کے ہر معاملے میں، خرید وفروخت میں، ملازمت وکھیتی میں اور تمام کاموں میں اللہ کی رضاء اور آخرت مقصود ہو۔

دنیا کی حقیقت:

دنیا کی حقیقت کو رب ذوالجلال نے بہت ہی مختصر اور جامع انداز میں سمجھایا ہے، فرمایا:

﴿وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور نہیں زندگی دنیا کی؛ مگر پونجی دھوکے کی۔

(پ:۴، سورۂ آلِ عمران، رقم الآیۃ:۱۸۵، رکوع:۱۶) (ترجمہ شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی دنیا کی عارضی بہار اور ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے، جس پر مفتون ہو کر اکثر بے وقوف آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں؛ حالانکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ یہاں رہ کر انجام کو سوچے اور

وہ کام کرے جو عذابِ الٰہی سے بچانے والا اور جنت تک پہنچانے والا ہو۔ (ماخوذ از فوائدِ عثمانیؒ)

ایک اور جگہ اِس حقیقت کو اور بھی بہتر انداز سے بتایا گیا ہے۔

دنیاوی زندگی کے مراحل:

انسانی زندگی کے مختلف موڑ اور مراحل پر جو انسانی کیفیت ہوتی ہے، اُس کو بہترین انداز میں رب ذوالجلال نے بتایا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

(پ:۲۷، رقم الآیۃ: ۲۰، سورۃ الحدید، رکوع:۳)

جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتایت ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی جیسے حالت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اُس کا سبزہ پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہو گیا پھر ہو جاتا ہے روندا ہوا گھاس اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کی زندگانی تو یہی ہے مال دغا کا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

تشریح:

آدمی کو اوّل عمر میں کھیل چاہیے، پھر تماشا، پھر بناؤ سنگار (اور فیشن) پھر ساکھ بڑھانا اور نام ونمود حاصل کرنا، پھر موت کے دن قریب آئیں تو مال واولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھر بار بنا رہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے؛ مگر یہ سب ٹھاٹھ، سامان فانی اور زائل ہیں، جیسے کھیتی کی رونق و بہار چند روزہ ہوتی ہے، پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی اور جانور اُس کو روند کر چُورا کر دیتے ہیں، اُس شادابی اور خوبصورتی کا نام ونشان نہیں رہتا، یہ ہی حال دنیا کی زندگانی اور اُس کے ساز وسامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکہ کی شئ ہے، آدمی اس کی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے؛ حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں، وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا۔ یعنی ایمان اور عملِ صالح، جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا، سمجھو بیڑا پار ہے، آخرت میں اس کے لیے مالک کی خوشنودی ورضامندی اور جو دولتِ ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا، اس کے لیے سخت عذاب اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اس کے لیے جلد یا دیر دَھکے مُکّے کھا کر معافی ہے۔ دنیا کا خلاصہ وہ تھا، آخرت کا یہ ہوا۔ (از فوائدِ عثمانیؒ)

جامع حدیث:

یہ حدیث اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں سے نہایت ہی جامع ہے، عام طور سے آدمی اس کے پاس جو ہے اُس کو کم اور دوسروں کے پاس کی چیزوں ہی کی حسرت کرتا ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ غمگین اور پریشان رہتا ہے، جب انسان کو دنیا کی حقیقت معلوم ہوجائے کہ مکمل دنیا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مچھر کے پَر کے برابر نہیں ہے، تو دنیا میں سات برِّ اعظموں کی حقیقت کا یہ عالم ہے، تو ہم جس برِّ اعظم میں رہتے ہیں وہ ایشیا ہے، اس میں بھی کئی ممالک ہیں، اس میں ایک ملک ہندوستان ہے، اس کی بھی مکمل ملکیت ہماری اپنی ذاتی نہیں ہے، اس میں کئی صوبے ہیں، ایک صوبہ کے سفر کے لیے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک (سواری) سے کبھی ایک مکمل رات یا اس سے کم وبیش وقت لگتا ہے، اس کے بھی ہم مالک نہیں ہیں، اس میں کئی شہر دیہات ہوتے ہیں، ان میں سے کسی شہر یا دیہات میں ہم چھوٹے سے حصہ کے عارضی حصہ دار ہوتے ہیں، جب انسان کو یہ حقیقت سمجھ میں آجائے تو کبھی تکبر نہیں کرے گا، دوسروں کے ملے ہوئے پر رشک وافسوس نہیں کرے گا، مطمئن ہوکر زندگی گزارے گا، جو نہیں ملا اُس پر کسی قسم کا افسوس وملال نہیں ہوگا، اس کے بالمقابل جب انسان عمدہ سواریوں پر نظر کرے گا اور ذاتی جہازوں کو دیکھے گا، اِسی طرح بالخصوص غیروں کا رہن سہن، اُن کا استقبال واکرام اور ان کی اَملاک وبینک بیلنسوں کی طرف دیکھے گا تو اس کا دل رنجیدہ اور افسردہ ہوجائے گا؛ اِسی لیے اپنے دل میں اس ارشاد کو ملحوظ رکھے کہ اگر اللہ کی نگاہ میں ان چیزوں کی اہمیت وقیمت ہوتی تو اللہ ان کو (غیروں) کو کبھی نہ دیتا؛ بلکہ پانی کا گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔

دنیا میں کرنے کے کام:

اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ: ''یہ دنیا اِدھر سے کوچ کر کے منھ پھیرے ہوئے چلی جارہی ہے، اور آخرت اُدھر سے کوچ کر کے ہماری طرف منھ کیے آرہی ہے (یعنی دنیا کا ہماری طرف سے منھ پھیر کر اپنی فنا کی طرف بڑھنا اور آخرت کا اپنی بقا کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہونا ظاہر ہورہا ہے) اور ان دونوں (دنیا وآخرت) میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، پس تم (نیک عمل اختیار کر کے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوکر) آخرت کے بیٹے بنو اور (آخرت سے بے پرواہ اور دنیا کی طرف راغب ومتوجہ ہوکر) دنیا (یعنی یہ دنیا دارالعمل ہے، دارالحساب نہیں، یہاں بس زیادہ سے زیادہ نیک عمل کیے جاؤ) اور کل (قیامت) کا دن حساب کا دن ہوگا، عمل کرنے کا نہیں''۔

یعنی دنیا میں جس انسان نے خیر وبھلائی کی اور نیک اعمال کیے، جب اللہ رب العزت ان نیکیوں کا بدلہ انسان کو دیں گے تو انسان کی خوشی کی انتہا نہیں رہے گی، بعض انسان تو یہ کہیں گے: یااللہ! مَیں نے اتنے نیک اعمال نہیں کیے ہیں، پھر اللہ رب العزت اس بندہ سے ارشاد فرمائیں گے: یہ تمہاری وہ دعائیں ہیں جو دنیا میں کسی مصلحت کی خاطر تمھیں نہیں دی گئیں تھیں، یہ اس کا بدلہ ہے، تو بندہ تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں میری کوئی دعا قبول ہی نہ ہوتی تو بہتر ہوتا، اسی وجہ سے انسان کو دنیا میں جو نیکی اور جیسی نیکی کا موقع ملے اُس کو فوراً بجالانا چاہیے؛ چونکہ دنیا میں اللہ کا ذکر اور نیک کاموں کے علاوہ دوسرا کوئی بھی کام اللہ کو پسندیدہ نہیں ہے؛ بلکہ یوں کہے تو صحیح ہوگا: اللہ کے یہاں دنیا کی حقیقت تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے؛ لیکن جو بندہ اس دنیا میں اپنی آخرت کو بنائے اور سنوارے، اور اپنی دنیاوی مشغولیات میں اللہ کو نہ بھولے وہ کامیاب اور اللہ کی نظر میں باوقعت انسان ہے۔

کافروں کی خوش عیشی پر حسرت نہ کرے:

ایک مسلمان مؤمن کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی وسعت وثروت پر للچائی ہوئی نگاہ کرے؛ چونکہ اگر اللہ رب ذوالجلال کو مؤمنوں کے فتنہ میں مبتلا نہ ہونے کا یقین ہوتا تو غیروں کے مکانات سونے چاندی کے بنادیتا، جبکہ مٹی اور گارے اور لکڑی ہی پر ان کو خوش عیش اور صاحبِ ثروت سمجھا جاتا ہے، اگر سونے چاندی کے ہوتے تو.....؟ اسی لیے رب ذوالجلال نے فرمایا:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ○ وَلِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ○ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ○ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (سورۃالزخرف، پ:۲۵، رقم الآیۃ:۳۳-۳۵، رکوع:۳)

ترجمہ مع تشریح:

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہوجائیں ایک دین پر تو ہم دیتے ان لوگوں کو جو منکر ہیں رحمٰن سے اُن کے گھروں کے واسطے چھت چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں اور اُن کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں اور سونے کے (یعنی اللہ کے یہاں اس دنیوی مال ودولت کی کوئی قدر نہیں، نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب ووجاہت عنداللہ کی دلیل ہے، یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ، قفل اور تخت، چوکیاں سب چاندی

اور سونے کی بنا دیتا؛ مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا ہے، عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے (الا ماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحتِ خداوندی کے خلاف ہوتی؛ اِس لیے ایسا نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ: اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ بھلا جو چیز خدا کے نزدیک اس قدر حقیر ہو اُسے سیادت و وجاہت عند اللہ نبوت و رسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا، کہیں تو اُس کو آرام دے، آخرت میں تو دائمی عذاب ہے، کہیں تو آرام ملتا؛ مگر ایسا ہو تو سب وہ ہی کفر کا راستہ پکڑ لیں'') اور یہ سب کچھ نہیں ہے؛ مگر برتنا دنیا کی زندگانی کا اور آخرت تیرے رب کے یہاں اُنہی کے لیے ہے جو ڈرتے ہیں (یعنی دنیا کی بہار میں تو سب شریک ہیں؛ مگر آخرت مع اپنی ابدی نعماء و آلاء کے متقین کے لیے مخصوص ہے)۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ مع فوائدِ عثمانیؒ)

مؤمنوں کے ساتھ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ اللہ نے کفار کو محدود نعمتیں دی ہیں، انہیں محدود نعمتوں کی وجہ سے بعض فتنوں میں پڑے ہوئے ہیں، جبکہ یہ ان کی جنت ہے، اور ایمان والوں کے لیے عزت اور ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں کی جگہ یعنی آخرت ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان دنیا میں رہنے اور اس میں مکان بنانے سے بھی دُور رہے، یا یہاں کی زینتوں سے فائدہ نہ اُٹھائے؛ بلکہ دنیا کی چیزوں کی اہمیت و عظمت دل میں پیدا نہ ہو، دل کو خالص اللہ کے لیے کر کے ان دنیاوی چیزوں سے لذت حاصل کرنے میں کوئی ممانعت و قباحت نہیں ہے، اس کی کئی مثالیں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ میں بکثرت ملتی ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں دنیا کی حقیقت اور اس کی بے ثباتی کو سمجھا دے، آخرت کو مقصود بنا کر زندگی گزارنے کی توفیق عطاء کرے۔ آمین

❑❖❑

تذکرۂ صحابہؓ (قسط پنجم)

سیرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ازقلم: مفتی محمد عمران صاحب قاسمی، مدرس مدرسہ مرکز العلوم بنگلور

حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی سب سے پہلے اسلام لائے، آپ ہی نے سب سے اوّل قرآن شریف جمع کیا، آپ ہی نے قرآن شریف کا نام سب سے اوّل مصحف رکھا، آپؓ ہی کو سب سے اوّل خلیفہ کہا گیا، احمد نے ابوبکر ابنِ ابی ملکہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب یا خلیفة اللّٰہ کہہ کر پکارا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ''میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں، میں اسی سے خوش ہوں، مجھے اتنا ہی فخر کافی ہے''، آپؓ ہی سب سے اول اپنے والد ماجد کی زندگی میں خلیفہ ہوئے، آپؓ ہی اوّل خلیفہ ہیں کہ جن کی رعیت نے ان کے لیے وظیفہ مقرر کیا، بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپؓ نے فرمایا میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے گھر والوں کے صرفہ سے عاجز نہیں؛ لیکن میں امرِ خلافت میں مشغول ہوں اور مجھ سے اس وقت صنعت وحرفت نہیں ہو سکے گی؛ لہٰذا میں اپنے اہل وعیال کو بیت المال سے کھانے کو دُوں گا۔ ابنِ سعد عطاء ابنِ سائب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیعت کے دوسرے روز کچھ چادریں لیے ہوئے بازار کو جارہے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ فرمایا کہ بازار، حضرت عمرؓ نے کہا آپ ایسے کام چھوڑ دیجیے، اب آپ لوگوں کے خلیفہ ہوگئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر میرے اہل وعیال کہاں سے کھائیں گے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ چلیے آپ کے واسطے ابوعبیدہؓ مقرر کریں گے، یہ دونوں حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے کہا کہ میں تمہارے کنبہ کے واسطے ایک اوسط درجہ کے مہاجر کی خوراک کے اندازہ سے گزارہ کے لائق مقرر کرتا ہوں، نہ اس سے افضل اور نہ کم درجہ پر ہو، اس کے علاوہ گرمی جاڑوں کا کپڑا بھی؛ مگر جس وقت پُرانا ہوجایا کرے اُس کو واپس لے کر اُس کے بجائے نیا لے لیا کرو، آپ کے لیے ہر روز کے لیے آدھی بکری کا گوشت، تن ڈھانکنے کا کپڑا اور پیٹ بھرائی روٹی کا اناج مقرر کردیا۔ ابنِ سعد میمون سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ کی دو ہزار درہم سالانہ تنخواہ مقرر ہوئی، آپؓ نے فرمایا: میرا کنبہ زیادہ ہے، اس میں گزارۂ وقت نہیں ہوسکتا اور مجھے تم نے تجارت کرنے سے

بھی بوجہ اشغال خلافت کے روک دیا ہے کچھ زیادہ مقرر کرنا چاہیے؛ چنانچہ آپؓ کی تنخواہ پر پانچ سو درہم کا اضافہ کیا گیا۔

حسن ابنِ علیؓ ابنِ ابی طالب سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے وقت بی بی عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ: دیکھو! یہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے تھے اور یہ بڑا پیالہ جس میں کھاتے تھے اور یہ چادر جو ہم پہنتے اوڑھتے تھے، ہم ان سے اُس وقت تک ہی تک نفع اٹھا سکتے تھے جب تک مسلمانوں کا کام کرتے تھے، جس وقت مَیں مرجاؤں تو ان کو حضرت عمرؓ کو دے دینا؛ کیونکہ یہ بیت المال میں سے لیا تھا، جس وقت آپؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: خداوندِ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر رحم فرمائیں کہ انہوں نے اپنے بعد والوں کو بڑی تکلیف میں ڈال دیا۔

ابنِ ابی الدنیا ابوبکر بن حفص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انتقال کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: بیٹی! میں اگرچہ مسلمانوں کا خلیفہ تھا؛ مگر میں نے کبھی روپیہ پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں کیا؛ البتہ معمولی کھا پہن لیا، اب میرے پاس سوائے اس حبشی غلام اور اس اونٹنی پانی کھینچنے والی اور اس پرانی چادر کے بیت المال کا کچھ بھی تھوڑا بہت نہیں ہے، جس وقت میں مرجاؤں تو ان سب کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔

آپؓ ہی وہ اوّل شخص ہیں کہ جس نے بیت المال قائم کیا۔ ایک دفعہ آپؓ نے کچھ چادریں خریدیں اور مدینہ شریف کی بیواؤں پر تقسیم کردیں، جس وقت آپؓ کا انتقال ہوا اور آپ مدفون ہو چکے تو حضرت عمرؓ نے چند معزز صحابہؓ کو جن میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عثمان بن عفانؓ بھی تھے بلایا، اور ان کے ساتھ آپ نے بھی خود بیت المال میں تشریف لے جا کر اس کا جائزہ لیا، تو اس میں سوائے خدا کے نام کے کچھ نہ تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اگر بحرین سے مالِ غنیمت آئے تو میں تجھے اتنا اتنا دُوں گا، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بحرین سے مال آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلان فرمایا کوئی شخص ہے جس کا قرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چاہتا ہو یا آپؐ نے کسی سے کچھ وعدہ کیا ہو؟ میں نے حاضر ہو کر آپؓ کو اس کی خبر دی، آپؓ نے فرمایا اس میں سے لے لو، میں نے اس میں سے لے لیا اور گنا تو وہ پانچ سو روپئے تھے؛ مگر آپ نے مجھے ڈیڑھ ہزار عنایت فرمائے۔

ابوصالح غفاری سے مروی ہے حضرت عمرؓ ایک بُڑھیا، اندھی، اپاہج کی جو مدینہ کے اَطراف میں رہتی تھی خبر گیری کیا کرتے تھے، اس کو روٹی پانی اور اس کے دوسرے کام کردیا کرتے تھے، ایک روز جب آپ اس کے

پاس تشریف لے گئے تو بلا توقع اس کا تمام کام ہوا پایا اور اب ہمیشہ ہی کوئی آپ سے پہلے کر جانے لگا، آپ کو بہت حیرت ہوئی، آپ نے اس کی جستجو کی، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نکلے؛ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس زمانہ میں خلیفہ تھے، آپ کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: واللہ! آپ کے سوا اور کون ہوسکتا تھا۔

ابونعیم وغیرہ نے عبدالرحمٰن اصبہانی سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ منبر پر تشریف رکھتے تھے، اتنے میں حضرت امام حسن ابنِ علیؓ آ گئے، بچے تو تھے ہی، کہنے لگے: میرے ابا کے منبر پر سے اُترو، آپؓ نے فرمایا: تو نے سچ کہا، یہ منبر تمہارے ابا جان کا ہی ہے، یہ کہہ کر آپؓ نے ان کو گود میں اُٹھالیا اور رو پڑے، حضرت علیؓ نے کہا: واللہ! میں نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا، آپؓ نے فرمایا: نہیں! تم نے سچ کہا، میں تمہیں متہم نہیں کرتا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک مرتبہ ایک باغ میں داخل ہوئے اور اچانک آپ کو درخت کے سائے میں ایک چڑیا نظر آئی، آپ نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا اے چڑیا! تو بڑی خوش قسمت ہے، درختوں کا پھل کھاتی ہے، درختوں کے سائے میں رہتی ہے اور پہنچے گی اُس جگہ جہاں تجھ پر کچھ بھی حساب نہیں، کاش! ابوبکر بھی تیرے ہی جیسا ہوتا۔ ابنِ عساکر نے اصمعی سے روایت کی ہے کہ جب کوئی آپؓ کی تعریف کرتا تو آپ فرماتے: الٰہی! آپ میرے نفس کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور میں اپنے کو ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، الٰہی! مجھے جیسا یہ لوگ نیک خیال کرتے ہیں ایسا ہی کر دیجیے، میرے جن گناہوں کو یہ لوگ نہیں جانتے اُن کو آپ معاف کر دیجیے، جو یہ لوگ میرے متعلق کہتے ہیں مجھ سے اُس کا مواخذہ نہ فرمایئے، آپ فرمایا کرتے تھے: مجھے یہ محبوب تھا کہ میں مومن کے پہلو کا ایک بال ہوتا۔

حضرت زبیرؓ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو عاجزی وانکساری سے لکڑی کی طرح جھکے اور بے حرکت کھڑے رہتے تھے اور یہی حال حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہوتا تھا۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: واللہ! مجھے محبوب تھا کہ میں درخت ہوتا، کھالیا جاتا اور کاٹ دیا جاتا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ مجھے اِس طرح روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: کاش! میں سبزہ ہوتا کہ مجھے چوپائے چر لیتے۔

ابوبکر بن حفصؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ گرمیوں میں روزہ رکھتے تھے اور جاڑوں میں افطار کیا کرتے تھے۔ ابنِ سعد حیان صانع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ مہر تھی ''نِعمَ القادرُ اللّٰہ'' طبرانی نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہوا کہ جس کی چار پشتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو؛ مگر ان چار پشتوں نے ابوقحافہ اور آپ کے بیٹے ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ اور

عبدالرحمٰنؓ کے بیٹے ابوعتیق کہ جن کا نام محمد ہے۔ابنِ عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ مہاجرین میں سے کسی کا باپ ایمان نہیں لایا؛ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد ماجد ایمان لائے۔

معاویہ بن قرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی دعا میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے: الٰہ العالمین! میری آخری عمر اچھی کرو، نیک عمل پر میرا خاتمہ فرماؤ، اور اپنی ملاقات کا دن سب دنوں سے بہتر کرو۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: الٰہی! میں آپ سے اس چیز کا سوال کرتا ہوں جو مجھے عاقبت میں کام آئے، الٰہی! مجھے آخر میں اپنی رضامندی اور بلند مرتبہ جنت نعمتوں والی عطاء کرنا۔عرفجہ روایت کرتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے تھے کہ جو شخص خوفِ خدا سے رو سکے وہ خود روئے؛ ورنہ رونے کی صورت بنانی چاہیے۔

اصلاحِ معاشرہ

سُنی سُنائی باتوں پر یقین

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، ترجمان وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی صلاحیتوں کو محدود رکھا ہے، اس کی قوتیں ایک خاص دائرہ میں کام کرتی ہیں، مثلاً انسان کو ایک بہت بڑی نعمت دیکھنے کی دی گئی ہے، پتھر اور لوہے کس قدر مضبوط ہیں، سمندر کا دامن کس قدر وسیع اور بے پناہ ہے؛ لیکن وہ دیکھ نہیں سکتے، انھوں نے آج تک خود اپنے حسن و جمال کو بھی دیکھا نہیں ہوگا؛ لیکن انسان ایک خاص حد تک ہی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے، اگر کوئی رکاوٹ نہ بھی ہو تو انسان کو آدھے ایک کیلومیٹر سے آگے کی چیزیں صاف نظر نہیں آتیں، اگر بیچ میں دیوار حائل ہو تو بالکل قریب کی چیزوں کو بھی وہ نہیں دیکھ سکتا، انسان میں سننے کی صلاحیت رکھی گئی ہے؛ لیکن اس کا بھی یہی حال ہے، اس کی سماعت کا دائرہ چند فرلانگ تک ہوتا ہے، یہ بھی اس وقت ہے کہ جب کوئی چیز حائل نہ ہو؛ ورنہ دو کمروں کے بیچ چند انچ کی دیوار ہوتی ہے اور ایک طرف کی آواز دوسری طرف بالکل سنائی نہیں پڑتی، انسان کے دیکھنے اور سننے کے دائرہ کو جو محدود رکھا گیا۔

بظاہر یہ ایک محرومی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ بجائے خود اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ہر انسان اپنے لیے تنہائی (Privacy) چاہتا ہے جو دوسرے کی مداخلت سے آزاد ہو، انسان کی بہت سی ضروریات ایسی ہیں، جن میں دوسروں کی آنکھ اور کان کے تعاقب سے باہر ہونا اُس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ فرض کیجیے کہ! کسی مکان میں بہت سے کمرے ہوں، ہر کمرے میں الگ الگ لوگ رہتے ہوں، وہ سب ہمہ وقت ایک دوسرے کی نظر میں ہوں اور ایک دوسرے کی چھوٹی بڑی بات کانوں سے ٹکراتی رہتی ہو، تو اس کے لیے زندگی گزارنا کتنا دُوبھر ہو جائیگا، اسے اپنے مکان میں رہتے ہوئے بھی ایسا محسوس ہوگا کہ وہ ریلوے کے کسی پلیٹ فارم پر مقیم ہے؛ اِس لیے انسان کی صلاحیتوں کا محدود ہونا بظاہر ایک محرومی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن درحقیقت یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کے لیے سامانِ راحت؛ بلکہ ایک ضرورت ہے۔

انسان اپنی محدود دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کی وجہ سے بہت سی باتیں جاننے میں دوسروں کی اطلاع کا محتاج ہوتا ہے، اس کے سوا چارہ نہیں کہ اپنے چشمِ سر سے دیکھے اور گوشِ سر سے سُنے بغیر بعض اُمور کو تسلیم کرے؛ اِس لیے دنیا کا سارا کاروبار دوسروں کی دی ہوئی خبر پر اعتماد و یقین سے متعلق ہے، اور اسی طرح نظامِ زندگی جاری و ساری ہے، خبریں

صحیح بھی ہوتی ہیں اور غلط بھی، سچی بھی ہوتی ہیں اور جھوٹی بھی، خبر دینے والے جھوٹے بھی ہوتے ہیں، بعض لوگ طبعاً بُرے نہیں ہوتے؛ لیکن ان کی طبیعت میں مبالغہ ہوتا ہے، وہ لفظوں کے ایسے بازی گر ہوتے ہیں کہ سُننے والوں کو رائی پہاڑ محسوس ہوتا ہے، کچھ لوگ شریف اور نیک تو ہوتے ہیں؛ لیکن سادہ لوح اور بھولے بھالی ہونے کی وجہ سے ہر طرح کی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں، کسی خبر پر جرح نہیں کرتے اور اس کے کھرے کھوٹے کو پرکھے بغیر مان لیتے ہیں، بعض حضرات سے کسی بات کو سننے یا سمجھنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے، یہ مختلف اسباب ہیں، جن کی وجہ سے دانستہ یا نادانستہ اور بالارادہ یا بلاارادہ خلافِ واقعہ باتیں لوگوں میں چل پڑتی ہیں، ایسے ہی بے سروپا باتوں کو ''ہوا'' کہتے ہیں۔

بارہا ایسا ہوا کہ کسی شخص نے کچھ لوگوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا، یہ دوڑ بھاگ کسی اور سبب سے تھی؛ لیکن شہر کی فضاء کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کو خیال ہو گیا کہ شاید دو گروہوں کے درمیان تصادم ہو گیا ہے، اب اس خوف سے انھوں نے خود بھاگنا شروع کیا، آتے ہوئے راستہ میں جو لوگ ملے ہمدردی و بہی خواہی میں انھیں بھی واپس ہونے کی صلاح دے دی، پھر خبر ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں پہنچی اور ایک فرقہ کے ناسمجھ لوگوں نے دوسرے فرقہ کے لوگوں پر وار کر دیا، یہاں تک کہ پورا شہر فساد کی آگ میں بھڑکنے لگا اور اس بے تحقیق خبر کی چنگاری نے پورے علاقہ کے امن وامان کو نذرِ آتش کر دیا، اِس طرح کے واقعات ہمارے سماج میں پیش آتے رہتے ہیں، افواہوں کی بنا پر گروہی لڑائیاں ٹھن جاتی ہیں، ادارے اور جماعتیں تقسیم ہو جاتے ہیں، اجتماعی کاموں میں رخنہ پڑتا ہے، خاندانوں میں نفرت کی آگ سلگ جاتی ہے، بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں، یہاں تک کہ میاں بیوی میں طلاق کے واقعات پیش آجاتے ہیں، والدین، اولاد اور قریب ترین اقارب کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے، افواہوں کی گرم بازاری نے بہت سے مخلص، محبّ قوم، برگزیدہ شخصیتوں کو بے آبرو کیا ہے اور خودغرضی و بدخواہ افراد کی طالع آزمائی کو کامیابی سے ہم کنار کر کے قوم وملک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہونچایا ہے۔

افواہوں کو جنم دینا، انھیں پھیلانا اور ان کو تقویت پہنچانا نہایت ہی ناشائستہ و نامناسب عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے اخبار و واقعات کے بارے میں یہ اُصولی رہنمائی فرمائی ہے کہ جب کوئی ناقابلِ بھروسہ آدمی کوئی خبر لائے تو جب تک اس کی اچھی طرح تحقیق نہ ہو جائے اُس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾ (حجرات:٦)

''اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم کسی گروہ کو ناواقفیت میں نقصان پہنچا دو، پھر تم کو اپنی حرکت پر پچھتانا پڑے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بے تحقیقی خبروں پر یقین نہیں کرنا چاہیے، اگر اس پر یقین کیا گیا تو یہ نقصان اور مضرت کا باعث ہوگا، یہ آیت ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنومصطلق کی طرف- جومسلمان ہو چکے تھے- اپنے نمائندہ ولید بن عقبہ کو بھیجا، بنومصطلق نے جب نمائندۂ نبوی کو دیکھا تو ان کے احترام وتوقیر کے لیے آبادی سے باہر نکل آئے، ولید نے سمجھا کہ یہ لوگ ان کے قتل کے درے ہیں اور پچھلے پاؤں واپس آ گئے، آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں، یہ زکوٰۃ ادا کرنے کے منکر ہیں اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کا ارادہ فرمالیا، ابھی تیاری کے مرحلہ میں تھے کہ بنومصطلق کا وفد آ پہنچا، انھوں نے عرض کیا کہ آپؐ کے قاصد آ رہے تھے، ہم اس لیے نکلے کہ ان کا استقبال کریں اور اپنی زکوٰۃ ان کی خدمت میں پیش کریں، ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے یہ خیال کیا ہے کہ ہم لوگ ان سے جنگ کے لیے نکلے تھے، سو یہ غلط ہے، اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی:۱۶/۳۱۱) غور کیجیے کہ یہ عہدِ نبوی کا واقعہ ہے، اور یہ اطلاع ایک صحابی رسول کی تھی، انھوں نے دانستہ غلط بیانی سے یقیناً کام نہیں لیا تھا کہ یہ مقامِ صحابیت سے فروتر بات ہے؛ بلکہ یہ محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے، یہ نادانستہ غلط فہمی بھی کتنے بڑے انتشار کا پیش خیمہ بن سکتا تھا، تو جہاں افواہیں بالقصد پیدا کی جاتی ہوں، اُن سے کس قدر نقصان ہوگا؟

افواہوں کے پھیلنے کے چند خاص اسباب ہیں، اُن میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ لوگ ہر سنی سنائی ہوئی بات کو نقل کرتے چلے جاتے ہیں، خواہ وہ بات کسی قدر بھی بے بنیاد ہو، بعض لوگوں نے اس کے لیے ''دروغ بردن راوی'' کی ایک خودساختہ بیساکھی تیار کر رکھی ہے، اور اس کے ساتھ ہر گفتنی و ناگفتنی کو نقل کر دینے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے، یہ بھی خدا سے بے خوفی کی بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی تشخیص کرتے ہوئے فرمایا: آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو نقل کر دے: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يحدث بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (مسلم، حدیث نمبر:۷) ہر سنی سنائی بات کو نقل کرنے سے معاشرہ میں کس طرح بگاڑ پیدا ہوتا اور فساد پھیلتا ہے، اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آنے والا ''واقعۂ افک'' ہے، کچھ بیمار ذہن منافقین نے اُمت کی ماں سیّدنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا دی، اور اس افواہ کو پھیلانے کی خوب کوشش کی، نتیجہ یہ ہوا کہ بعض سادہ لوح، مخلص مسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے اور مدینہ میں ایسے انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی کہ حیاتِ نبوی میں شاید ہی کسی اور واقعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ تکلیف پہنچی، یہ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ ایک سنی سنائی بات کو کچھ لوگ بلا تحقیق کہتے چلے گئے۔

ان افواہوں میں اضافہ ان لوگوں کی وجہ سے ہوتا ہے جو بُری باتوں کے متلاشی رہتے ہیں، لوگوں کی

بُرائیوں اور کوتاہیوں کے بارے میں تجسس سے جن کو لذت ملتی ہے، اور کسی واقعہ میں اگر چند احتمالات ہوں، تو منفی پہلو کی طرف ان کا ذہن زیادہ چلتا ہے، اس طرزِ عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں کیا؛ اِسی لیے تجسس کو منع کیا گیا، اور ان لوگوں کو کج فکر قرار دیا گیا، جو کسی بات کی غلط تاویل وتوجیہہ کے درپے ہوتے ہیں:

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ﴾

(آلِ عمران:۷)

''تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فساد پیدا کرنے کے ارادہ سے اور اس کے (من چاہے) مطلب کی تلاش میں مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں''۔

افواہیں عام طور پر اعلانیہ نہیں پھیلائی جاتیں، ریڈیو اور اخبارات کو ان کا ذریعہ نہیں بنایا جاتا (ویسے آج کل حکومتوں کے غیر ذمہ دارانہ ذرائع ابلاغ کے جانب دارانہ رویہ کی وجہ سے ایسا بھی ہو رہا ہے؛) بلکہ زیادہ تر سینہ بہ سینہ افواہیں پھیلائی جاتی ہیں، اور سرگوشیوں کے ذریعہ گشت کرتی رہتی ہیں؛ اِسی لیے زیادہ تر سرگوشیوں کو قرآنِ مجید نے پسند نہیں کیا: ﴿لَاخَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ﴾ (نساء:۱۱۴)

کسی بھی خبر کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ یا انسان خود اس کی تحقیق کرلے، یا کم سے کم ایسے سمجھدار، معاملہ فہم اور زمانہ آگاہ لوگوں کی طرف رجوع کرے، جن کے بارے میں توقع ہو کہ وہ مناسب طریقہ پر اس کی تحقیق کرنے کے بعد کوئی صحیح قدم اُٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جب اُن کو امن یا خوف کی کوئی خبر ملتی ہے تو اس کو مشہور کردیتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے میں سے ذمہ داروں تک پہنچادیتے تو ان میں سے جو تحقیق کرنے والے ہیں، وہ اس کی تحقیق کرلیتے، اور اگر تم پر اللہ کا کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو - کچھ لوگوں کے سوا - تم تو شیطان کی پیروی کرلیے ہوتے''۔ (نساء:۸۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بنیادی مرض کا علاج بتایا ہے، جو افواہوں کا باعث ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ جو باتیں اہم ہوں اُن کے بارے میں اگر انسان خود تحقیق کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، تو اس کی صلاحیت رکھنے والوں سے رجوع کرلے، اور کسی بھی بات کو بلاتحقیق بیان کرنے؛ بلکہ خود بھی اس پر یقین کرنے سے گریز کرے؛ کیوں کہ انسان اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور اپنے دلوں کا مالک نہیں؛ بلکہ امین ہے، اس کے بارے میں وہ عنداللہ جواب دہ ہے: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (اسرا:۳۶)

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

علماء اور دینی خدام کا باہمی حسد

ازقلم: مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

حسد بلاشبہ انتہائی خطرناک مرض ہے، اس کے اسباب ومحرکات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ معاصرت حسد کا بہت نمایاں محرک ہوتی ہے، علماء اور خدامِ دین کے حلقوں میں دیگر گناہوں کی بہ نسبت حسد کا گناہ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ پہلے ہی مرحلے میں داخلِ جہنم کردیے جائیں گے اُن میں ظالم حکام، بددیانت تاجروں، متعصب لوگوں اور متکبر افراد کے ساتھ حاسد علماء بھی ہوں گے۔ (التفسیر الکبیر: ۱/ ۴۶۵، احیاء العلوم: ۳/ ۳۴۸)

مختلف مشائخ کی طرف یہ قول منسوب ہے:

لَوْلا الْحَسَدُ فِي الْعُلَمَاءِ لَصَارُوْا بِمَنْزِلَةِ الْأَنْبِيَاءِ.

''اگر علماء میں حسد نہ ہوتا تو وہ انبیاء کے مقام پر ہوتے''۔ (مہلک روحانی امراض: ۲۱۶)

امام راغب اصفہانی کا قول ہے:

هَلاكُ الْعُلَمَاءِ بِحَسَدِهِمْ. (محاسد العلماء: شيخ احمد القطان)

''علماء کی اصل بربادی ان کے حسد کی وجہ سے ہوتی ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہاں جن علماء کا ذکر ہے اُن سے ''علمائے سوء'' مراد ہیں، جن کو احادیث میں ''**أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ**'' (سنو! سب سے بڑا شر بُرے علماء ہیں) فرمایا گیا ہے، اور جن کو احادیث میں ''**شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ**'' (آسمان کی چھت کے نیچے سب سے بدتر لوگ) قرار دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ: ''**مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ**'' (انہیں کے پاس سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹ جائے گا) یعنی وہی فتنوں کا سرچشمہ ہوں گے اور فتنوں کے نقصانات سے سب سے زیادہ دوچار ہوں گے۔ (مشکوۃ: العلم)

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

تَأَمَّلْتُ التَّحَاسُدَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ، فَرَأَيْتُ مَنْشَأَهُ مِنْ حُبِّ الدُّنْيَا، فَإِنَّ عُلَمَاءَ الآخِرَةِ يَتَوَادُّوْنَ وَلا يَتَحَاسَدُوْنَ، وَالأَمْرُ الْفَارِقُ بَيْنَ الْفِئَتَيْنِ: أَنَّ عُلَمَاءَ الدُّنْيَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى

الـرِّيَاسَةِ فِيهَا، وَيُحِبُّوْنَ كَثْرَةَ الْـجَـمْـعِ وَالثَّـنَاءِ، وَعُلَمَاءُ الآخِرَةِ بِمَعْزِلٍ عَنْ إِيْثَارِ ذٰلِكَ، وَقَدْ كَانُوْا يَتَخَوَّفُوْنَهُ، وَيَرْحَمُوْنَ مَنْ بُلِيَ بِهِ. (صیدالخاطر:٤٨)

''میں نے علماء کے باہمی حسد کے بارے میں غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ اس کا سرا دنیا کی محبت سے جڑا ہوا ہے؛ اس لیے کہ علماءِ آخرت باہم محبت کرتے ہیں، باہم حسد نہیں رکھتے، علماء کے دونوں گروہوں (علماءِ آخرت اور علماءِ دنیا) کے درمیان فرق یہ ہے کہ علماءِ دنیا دنیوی وجاہت پر نگاہ رکھتے ہیں اور مال ودولت کی کثرت اور لوگوں کی زبانی اپنی خوب خوب تعریف اور مدح سرائی پسند کرتے ہیں، جب کہ علماءِ آخرت ان سب سے الگ تھلگ ہوتے ہیں؛ بلکہ وہ ایسی چیزوں سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو دنیا کی محبت اور تعریف پسندی کے روگ میں مبتلا ہوتے ہیں اُن سے ہمدردی کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی دعا کرتے ہیں''۔

کائنات میں سب سے پہلا حسد ابلیس نے حضرت آدمؑ سے کیا تھا، حضرت آدمؑ کو اللہ نے کامل اور خصوصی علم عطا فرمایا تھا، قرآن مجید میں ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ میں اس کی صراحت آئی ہے، دوسری طرف ابلیس کو بھی اللہ نے بھرپور علم سے نوازا تھا؛ بلکہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بقول ابلیس بہت بڑا عالم، عابد اور عارف تھا؛ البتہ وہ اللہ کا عاشق نہیں تھا، اور یہی اس کی مردودیت کا باعث بنا۔ اللہ کی طرف سے ابلیس اور تمام ملائکہ کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا جو حکم دیا گیا تھا، اُس نے ابلیس میں تکبر اور حسد کے جذبات بھڑکا دیے تھے، گویا یہ ایک عالم کا دوسرے عالم سے حسد تھا، اس میں یہ سبق بھی ہے کہ عالمِ حاسد کو غور کرنا چاہیے کہ وہ ابلیس کے نقشِ قدم پر ہے، اور عالمِ محسود کو یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ حضرت آدمؑ کے نقشِ قدم پر ہے۔

شیخ عبداللہ بن حسین الموجان نے باضابطہ ایک کتاب ''تحاسد العلماء'' کے نام سے تحریر کی ہے، جس میں انہوں نے علماء کے باہم حسد کا مفصل تذکرہ کیا ہے، اور واضح کیا ہے کہ غیر تربیت یافتہ علماء حسد میں بہ طور خاص مبتلا ہوتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

''عالم چاہتا ہے کہ اس کا ایک علمی مقام ہو جس میں اس کے ساتھ کوئی بحث نہ کر سکے، اس کے علاوہ کسی اور سے کوئی بات نقل نہ کی جائے اور نہ اس کے سوا کسی اور سے فتویٰ لیا جائے، لوگوں کا رجوع اسی کی طرف ہو، جب (یہ دیکھتا ہے کہ) لوگ کسی اور عالم کے ساتھ بیٹھتے ہیں، اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے فتویٰ لیتے ہیں، تو یہ اس کے لیے جھگڑا اور حسد کا سبب بنتا ہے (کہ اس سے فتوے کیوں پوچھے جا رہے ہیں) اور پھر یہیں سے علماء آپس میں حسد کرنے لگتے ہیں''۔ (تحفۃ الائمہ:۱۲۷)

حضرت زید بن حبیبؒ فرماتے ہیں:

''صاحبِ علم وفقہ کے لیے بہت بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے فاضل اور اہل افراد کی گفتگو سننے سے زیادہ خود بولنا پسند کرتا ہو؛ تاکہ اپنے علم کا رعب دوسروں پر ڈال سکے''۔ (کتاب الزہد لابن المبارک:۱۶)

دروس، محاضرات اور خطابات میں بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ حاسد مزاج انسان دوسرے عالم کا درس وخطاب سننے اور اثر قبول کرنے کے بجائے اِس فکر میں لگ جاتا ہے کہ مجھے موقع ملے اور میں انوکھے انداز میں بات پیش کرکے اپنی دھاک جمادوں اور اس عالم کا اثر ختم کردوں۔

شیخ احمد بن النضر الازدی فرماتے ہیں:

إِنَّ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا مَنَحَهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنَ الْعِلْمِ وَ حَرَمَهُ قُرَنَاءَ هُ وَأَشْكَالَهُ، حَسَدُوْهُ فَرَمَوْهُ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ، بِئْسَتِ الْخَصْلَةُ فِي أَهْلِ الْعِلْمِ. (اشكر حسادك: د/ عائض القرنی: ۱۹۶)

''کسی عالم کو جب اللہ علم کا کوئی خاص مقام بخش دیتا ہے، اور وہ مقام اس کے ہم عصروں اور ہم عمروں کو نہیں ملتا، تو وہ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں، پھر اس پر غلط الزامات لگانے لگتے ہیں، علماء میں حسد کی یہ خصلت بہت بری ہوتی ہے''۔

حالانکہ حضرت ابوحازمؒ کے بقول:

''جب تک تین باتیں نہ پائی جائیں کوئی شخص عالم کہلانے کا حق دار نہیں ہوتا: (۱) اپنے سے بڑے سے بغاوت نہ کرے (۲) اپنے سے چھوٹے کو حقیر نہ جانے (۳) اپنے علم پر کسی سے معاوضہ کا طلب گار نہ رہے''۔ (ایضاً)

کسی عالم سے پوچھا گیا کہ فلاں عالم صاحب آپ سے ناراض رہتے ہیں اور آپ کی مذمت بھی کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ میرے سگے رشتہ دار ہیں، پڑوسی بھی ہیں اور ہم پیشہ بھی ہیں، یعنی قرابت، ہم سائیگی اور ہم پیشگی یہ سب اسباب حسد بن جاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا نمونہ بھی ذکر کیا ہے کہ اخلاص کی برکت سے اللہ نے ان کے دل کو معاصرانہ چشمک پر مبنی حسد سے بطور خاص کس طرح محفوظ ومامون رکھا، فرماتے ہیں:

''اللہ بچائے یہ حسد بڑی خراب چیز ہے، خاص طور پر ہمارے اہل علم کے طبقے میں زیادہ پایا جاتا ہے؛ کیونکہ یہ علم ایسی چیز ہے کہ اس کے اندر ترفع کی شان ہے، اس وجہ سے دوسرے شخص کو علم میں

آگے بڑھتا ہوا اور ترقی کرتا ہوا دیکھ کر اور اس کی مقبولیت دیکھ کر بعض اوقات اس کی طرف سے دل میں حسد پیدا ہوجاتا ہے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک شخص نے خواب میں شیطان کو ایک بنجارے کی شکل میں دیکھا، ''بنجارہ'' اس کو کہتے ہیں جو اپنا سامانِ تجارت ایک گٹھڑی میں باندھ کر اور اپنے کندھے پر لاد کر گاؤں گاؤں محلے محلے اس سامان کو بیچتا پھرتا ہے، نظیر اکبر آبادی کی مشہور نظم ہے جس میں وہ یہ کہتا ہے کہ:

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارہ

بہرحال! خواب میں دیکھا کہ شیطان ایک بنجارے کی طرح بہت ساری گٹھڑیاں اپنے کندھے پر لادے جارہا ہے، وہ گٹھریاں بھی عجیب وغریب تھیں، کسی گٹھری میں پاخانہ بھرا ہوا ہے، کسی گٹھری میں پیشاب بھرا ہوا ہے، کسی گٹھری میں پیپ وغیرہ، ساری دنیا کی نجاستیں اس کے پاس موجود تھیں اور ہر گٹھری پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوا ہے، کسی پر لکھا ہے ''حسد''، کسی پر ''کینہ''، کسی پر ''حب مال''، کسی پر ''حبِّ جاہ'' وغیرہ۔

کسی شخص نے شیطان سے پوچھا کہ تم یہ لے کر کہاں جارہے ہو؟ شیطان نے کہ یہ سامانِ تجارت ہے، اس کو بیچنے جارہا ہوں، اس شخص نے کہا کہ یہ سب گندگی ہے، یہ کون تیرے سے خریدے گا؟ شیطان نے کہا کہ مجھے اپنے مال کی منڈیاں معلوم ہیں کہ کس منڈی میں میرا مال فروخت ہوگا، یہ ''حبِّ مال'' تاجروں کے علاقے میں لے جاکر فروخت کروں گا، وہ مجھ سے یہ مال خرید لیں گے، یہ ''حبِّ جاہ'' اور ''حسد'' اس کی منڈیاں علماء ہیں، جب علماء کے پاس لے جاؤں گا تو وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ خرید لیں گے، العیاذ باللہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

بہرحال! اگر علم کے ساتھ اخلاص نہ ہو تو اس علم کے نتیجے میں ''حبِّ جاہ'' پیدا ہوتی ہے اور حبِّ جاہ کے نتیجے میں ''حسد'' پیدا ہوجاتا ہے؛ کیونکہ جب دوسرے کو علم کے اندر آگے بڑھتا ہوا دیکھے گا تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ مجھ سے کیوں آگے بڑھ گیا، اس کی شہرت کیوں زیادہ ہوگئی، اس کی طرف لوگوں کا رجوع کیوں زیادہ ہونے لگا؟ اگر علم کے ساتھ اخلاص ہو کہ وہ علم اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو پھر ''حسد'' اور ''حبِّ جاہ'' پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا؛ بلکہ کوئی دوسرا علم کے اندر آگے بڑھ جائے گا تو خوشی پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے اخلاص عطا فرمائے، آمین۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

صحت وعافیت عظیم نعمت

ازقلم: مولانا محمد اویس صاحب رشادی، استاذ دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور

اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتوں میں صحت وعافیت عظیم نعمت ہے، جسے یہ دولت اس جہان میں مل جائے گویا جنت کا ادنیٰ ٹکڑا مل گیا، اس دولت کی قدر پہچاننے والے اور اس کے حصول پر شکر بجالانے والے بہت کم نظر آرہے ہیں، یہ نعمت اس لحاظ سے بھی گراں قدر ہے کہ اس کی موجودگی میں وقت صحیح مصرف میں خرچ ہوتا ہے اور اس لحاظ سے بھی بیش بہا ہے کہ اس کے ہونے سے گھر میں خوشیوں کا سماں رہتا ہے، مال ودولت سے لطف بھی اسی وقت مل سکتا ہے جب صحت کی دولت نصیب ہو، سب سے بڑھ کر اسی دولت کے سبب فرائض کی ادائیگی آسان ہوتی ہے اور شریعت کے جملہ احکامات پر گامزن رہنا ممکن ہو پاتا ہے۔ یہ عظیم دولت کہاں سے ملتی ہے؟ کس کے نصیبہ میں آتی ہے؟ اس دولت کے لُٹ جانے کے اسباب کیا ہیں؟ لُٹ جانے پر کن کن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ اس عظیم دولت کی حفاظت کیسے ممکن ہے؟ یہ چند سوالات ہیں، ان کا آسان جواب سب کے ذہنوں میں پہلے سے موجود ہے؛ مگر استحضار نہ ہونے کی وجہ سے بے کلی کی کیفیت رہتی ہے۔ آیئے قدرے تفصیل اس پر مذاکرہ ہوجائے؛ تاکہ اس کے حصول کی فکر پیدا ہوجائے، حصول کی صورت میں حفاظت کی تدبیر ممکن ہوسکے اور شکر کی توفیق نصیب ہو۔

یہ عظیم دولت کہاں سے ملتی ہے؟

یہ دولت نہ دواؤں سے ملتی ہے نہ ہی کسی ڈاکٹر وحکیم کی آستینوں میں چھپی ہے اور نہ ہی کسی بابا وسادھو کے آستان میں دفن ہے اور نہ کسی ہسپتال کی چہار دیواری میں محصور ہے، یہ دولت براہِ راست اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے ملتی ہے، اسی سے سوال کرنا، اُسی سے اُمید رکھنا ہر بندۂ مؤمن کا اوّلین فریضہ ہے؛ چنانچہ:

﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ (شعراء)

''اور جب مَیں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے''۔

﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (انبیاء)

''اور ایوب کو دیکھو! جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے''۔

وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكَى، فَقَالَ: "سَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ، فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِيْنِ خَيْرًا مِنَ الْعَافِيَةِ". (رواه الترمذي وابن ماجة)

''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک دن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، رونے لگے اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ سے بخشش وعافیت مانگو؛ کیونکہ کسی کو یقین (ایمان) کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی''۔

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي شَيْئًا أَسْأَلُهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَمَكَثْتُ أَيَّامًا ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي شَيْئًا أَسْأَلُهُ اللّٰهُ، فَقَالَ لِيْ: يَاعَبَّاسُ! يَاعَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ! سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

(ترمذي، أبواب الدعوات: ج/۲، ص/۱۹۱ ط: قديمي)

''حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: مَیں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتایئے جو مَیں اللہ تعالیٰ سے مانگوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے عافیت مانگو، مَیں کچھ دن ٹھہرا رہا اور پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور مَیں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتایئے جو مَیں اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے عباس! اے رسول اللہ کے چچا! اللہ سے دنیا وآخرت میں عافیت مانگا کرو''۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: سَلْ رَبَّكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ يَانَبِيَّ اللّٰهِ! أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ؟ سَلْ رَبَّكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَإِذَا أُعْطِيْتَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَقَدْ أَفْلَحْتَ. (ابن ماجه)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ: اے اللہ کے رسول! کون سی دعا افضل ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے رب سے دنیا وآخرت میں عفو اور عافیت کا سوال کرو، پھر دوسرے روز بھی یہی سوال وجواب ہوا، پھر تیسرے دن یہ شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے نبی! کون سی دعا افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے رب سے دنیا وآخرت میں عفو اور عافیت کا سوال کرو، جب تمھیں دنیا وآخرت میں عفو اور عافیت مل جائے تو تحقیق تم کامیاب ہوگئے''۔

مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ الْعَافِيَةَ. (مشكوٰة شريف)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس کے لیے دعا کے دروازے کھولے گئے اُس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے عافیت مانگنا ہر چیز مانگنے سے زیادہ محبوب ہے''۔

لَمْ تُؤْتُوْا شَيْئًا بَعْدَ كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ مِثْلَ الْعَافِيَةِ فَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ. (مسندأحمد بن حنبل)

''امیر المؤمنین سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں یہ منقول ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:..... کہ تمہیں کلمۂ اخلاص (کلمۂ شہادت) کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں دی گئی؛ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کیا کرو''۔

وَالْأَظْهَرُ أَنَّ مَعْنَاهُ السَّلَامَةُ فِي الدِّيْنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَفِي الْبَدَنِ مِنْ سَيِّءِ الْأَسْقَامِ وَشِدَّةِ الْمِحْنَةِ. (مرقاةالمفاتيح، شرح مشكاة المصابيح:٥/١٧٢٤)

قال ابن الأثير: العفو محو الذنوب والعافية السلامة من الأسقام والبلاء وهي الصحة والمعافاة أن يعافيك من الناس ويعافيهم منك. (فيض القدير:٢/٥٢٢)

صاحبِ مظاہرِ حق علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو بہت پسند کرتا ہے، اس کے برابر اور کسی چیز کے مانگنے کو پسند نہیں کرتا۔ عافیت کے معنیٰ ہیں: دنیا و آخرت کی تمام ظاہری و باطنی غیر پسندیدہ چیزوں، تمام آفات و مصائب، تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں سے سلامتی و حفاظت؛ لہٰذا عافیت، دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہے، جس نے عافیت مانگی، اُس نے گویا دنیا و آخرت کی تمام ہی بھلائیاں مانگ لیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو پسند کرتا ہے، (نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ)''۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ خلیفۂ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''عافیت بہت بڑی چیز ہے، بہت اُونچی نعمت ہے، اور عافیت کے مقابلے میں دنیا کی ساری دولتیں ہیچ ہیں، کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں؛ نیز وہ فرماتے تھے کہ: عافیت دل و دماغ کے سکون کو کہتے ہیں، اور یہ سکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، یہ دولت اللہ تعالیٰ بغیر کسی سبب اور استحقاق کے عطا فرماتے ہیں۔ عافیت کوئی آدمی خرید نہیں سکتا، نہ روپیہ پیسے سے عافیت خریدی جاسکتی ہے، نہ سرمایہ سے اور نہ ہی منصب سے کوئی عافیت حاصل کرسکتا ہے۔ عافیت کا خزانہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی عافیت نہیں دے سکتا''۔

اس دولت کے لُٹ جانے کے اسباب کیا ہیں؟

یہ دنیا دارالاسباب ہے، جس طرح اَناج، سبزی، پھل کو بیج ہونے اور اس کی دیکھ ریکھ پر موقوف رکھا گیا ہے، اچھے اور بُرے نتائج کسی نہ کسی عمل پر موقوف ہیں، بعینہٖ صحت وعافیت اور مرض اچھی اور خراب خوراک پر موقوف ہے، اس میں نیکی اور گناہ کا بھی بڑا دخل ہے، یہ خوشی اور غم کے نتائج بھی ہو سکتے ہیں اور خوف، مایوسی اور منفی سوچ کا مرض میں بڑا حصہ ہے، اطمینان، بھروسہ اور مثبت سوچ صحت مند کے لیے ایک اوزار ہے؛ اِس لیے ہمیشہ صحت مند رہنے کے لیے مقوی غذا کا استعمال کیا جائے، غذا کی مقدار اہم نہیں؛ بلکہ معیار بہت زیادہ اہم ہے، کم کھائیں اچھی غذا کھائیں، زیادہ مقدار میں بازاری غذا کھانے کی بہ نسبت معیاری کم غذا کھانا بہت بہتر ہے، معاشرے کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوگا کہ معیاری پہنتے اوڑھتے ہیں، جُوتا بھی معیاری چاہیے، سواری کے لیے ایندھن معیاری چاہیے، تعمیر مکان میں در ودیوار پر رنگ روغن معیاری، زمین پر روندے جانے والا پتھر، استنجا پھیرنے کے لیے ٹب معیاری چاہیے؛ حالانکہ ان اشیاء پر نہ تو خوشیوں کا مدار ہے اور نہ ہی ان پر زندگی موقوف ہے؛ بلکہ خوشیوں کا مدار مقوی غذاؤں پر اور اچھی عادتوں پر ہے؛ اِس لیے ایسی عمدہ معیاری غذا کی عادت بنائیں جو صحت کی ضامن ہو، بازاری غذاؤں سے بالکلیہ اجتناب کریں۔ آج بیماریوں کا تناسب نکالا جائے تو ۵۰ر فیصد سے زیادہ بیماریاں غلط عادتوں کا نتیجہ ہیں، مثلاً: شراب نوشی، بیڑی سگریٹ اور تمباکو، گٹکھے کی عادت، دیر رات تک جاگنا، ٹی وی، سنیما اور انٹرنیٹ میں مخرب اخلاق مناظر کا دیکھنا، جنسی خواہش کو غیر فطری طریقے (زنا، لواطت، مشت زنی وغیرہ) سے پورا کرنا وغیرہ صحت کی بربادی کے یقینی اسباب ہیں؛ لہٰذا جو صحت مند زندگی گزارنا چاہتا ہے اور اہلِ خانہ کی خوشیوں میں گھر والوں کو شامل کرنا چاہتا ہے اُسے سردست غلط عادتوں کو خیر باد کہنا چاہیے اور اچھی عادتوں کا خُوگر ہونا چاہیے۔

صحت لُٹ جانے پر کن کن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

گھر کے چھوٹے بڑے تمام افراد صحت مند ہوں تو خوشگوار زندگی میسر ہوتی ہے؛ مگر اس وقت کم لوگوں کو اس کی کماحقہٗ قدر ہوتی ہے، جس کے سبب شکر کا خیال تک نہیں ہوتا؛ لیکن وہی صحت ذرا بے توجہی سے جاتی رہے، اس وقت اس کی قدر ہونے لگتی ہے، جبکہ قدر وشکر کا موقعہ ہاتھ سے جا چکا ہوتا ہے اور بے شمار پریشانیاں دل ودماغ کو متاثر کرنے لگتی ہیں، ایک طرف جسمانی تکلیفیں، تو دوسری طرف مالی نقصان، مَیں یہ نہیں کہتا کہ صحت زائل ہونے پر موت آجائے گی؛ کیونکہ موت کا مدار بیماری پر نہیں؛ کیونکہ بیماری موت کے لیے حقیقی سبب نہیں،

ہاں! سببِ عادی ضرور ہے، مہلک اَمراض کی صورت میں موت ہوجانا ایک معمولی نقصان ہے؛ کیونکہ اس کو تو بہرحال آنا ہی ہے، آج نہیں تو کل وہ ضرور آکر رہے گی؛ چنانچہ:

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (عنکبوت) (ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے)، ﴿وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ (لقمان) (کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کون سی زمین میں اسے موت آئے گی)، ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَایُؤَخَّرُ، لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (نوح) (بے شک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ مؤخر نہیں ہوتا، کاش! تم سمجھتے ہوتے)، ﴿وَلِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ، فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَایَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَایَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (اعراف) (اور ہر قوم کے لیے ایک میعاد مقرر ہے؛ چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتے)۔

لیکن موت کے بجائے لاعلاج مہلک مرض طول پکڑنے لگے (اللہ ہم سب کو عافیت میں رکھے) گھر سے خوشیوں کا جنازہ نکل جاتا ہے، ذریعۂ معاش کا دروازہ بند ہونے لگتا ہے، اپنے خاص رشتہ دار، دوست واحباب دوحصوں میں بٹ جاتے ہیں، شوہر یا بیوی بچے، ماں باپ کی نیندیں اُڑ جاتی ہیں، بے وقت کھانا ان کا معمول بن جاتا ہے، ہر وقت دل تیز دھڑکنے لگتا ہے، کب کیا ہوجائے اور دُکھی خبر کان کو ٹکرانے لگے، یہ تشویش ہونے لگتی ہے، یہ مخلصین کا حال ہے اور کچھ رشتہ دار، دوست وہم کے شکار ہوکر بیمار کے پاس آنا جانا بند کردیتے ہیں، اس خیال سے کہ کہیں اس بیماری سے ہم متأثر نہ ہوجائیں، صرف ان کو اِس بات کا انتظار رہتا ہے کہ کب آخری خبر ملے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھیں اور موقعہ ہوا تو جنازہ میں شریک ہوجائیں، یہ حالت کس قدر پریشان کُن ہے، انھیں سے پوچھیں جن پر گزری ہے۔ بیماری کا علم بروقت ہوجائے یا دیر سے صحیح تشخیص ہونے تک اس مریض کی جو حالت ہوتی ہے اس کے تصور سے دل گھبرانے لگتا ہے، ایک منظّم سازش کے تحت بیماری پھیلائی جاتی ہے، اس کی تشخیص کے لیے آلات اور مشینیں بنائی جاتی ہیں، مریض کو اس سے گزارا جاتا ہے، صرف تشخیص کے مراحل سے گزرتے گزرتے مریض کی آدھی دولت لُٹ جاتی ہے، مثلاً ایک مریض براہِ راست کینسر کی تشخیص کے لیے پٹ اِسکین (Pet Scan) لیتا ہے، اس کی قیمت ۲۲۰۰۰ روپے اگر کسی ڈاکٹر کے توسط سے جائے تو ۱۲۰۰۰ روپے، اب سوال یہ ہے کہ ۱۰۰۰۰ روپے کا فرق کیسے ہوگیا؟ ۱۲۰۰۰ روپے میں بھی تو ڈاکٹر کا حصہ ہوگا، تو اس اسکین کی اصل فیس ہی کتنی ہے؟ ایک مریض سے اس کی دولت کتنے لوگ لوٹ رہے ہیں، تشخیص ہوجانے کے بعد ہسپتالوں کا چکر لگا کر ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کا انتخاب ہونے تک مریض کی آدھ سے زیادہ جان جاچکی ہوتی ہے، تجربہ کار ڈاکٹر مل بھی جائے؛ مگر امانت دار، ایمان دار، خیرخواہ اپنے سینے میں انسانی دل رکھنے والا

ڈاکٹر کہاں سے لایا جائے، ہسپتال ایک تجارتی فیکٹری ہے، اس میں کام کرنے والے سب مشینیں ہیں، سب کا مقصد ایک ہے کہ کس طرح مشینوں پر لگے ہوئے سرمایہ کا نفع کمائیں، چاہے مریض مریض رہتے ہوئے مزید ملس اور کنگال ہو جائے، مریض گھر سے چل کر ہسپتال پہنچتا ہے، ہسپتال کا یم ڈی خائن ہو تو کسی بھی بہانے سے اس مریض کو داخل ہسپتال کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، اس مریض پر دواؤں کا تجربہ کیا جاتا ہے، آخر کار دواؤں کے زہریلے اثرات کو تاب نہ لاکر یا تو مریض مزید لاغر یا کمزور ہو جاتا ہے یا پھر آخری منزل کی طرف کوچ کر جاتا ہے، کتنے ایسے مریض ہیں صرف تشخیص کے لیے ہسپتال پہنچے، اُن کی گھر واپسی نہیں ہوئی، جو واپس ہوئے نیم مرگ کومہ کی حالت میں واپس ہوئے اور گھر میں آخری لمحے کے منتظر ہیں؛ اِس لیے اپنی صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، صحت کے لیے مضر عادتوں کو اور غذاؤں کو چھوڑنا بھی ضروری ہے؛ تاکہ اس قسم کی پریشانیوں کا عمر بھر میں موقعہ نہ آئے، اللہ ہم سب کو تمام عافیت دوام عافیت نصیب فرمائے، آمین۔

اس عظیم دولت کی حفاظت کیسے ممکن ہے؟

انسان جسم وروح سے مرکب ہے، جسم کی صحت میں روح کا بڑا دخل ہے؛ اِس لیے پہلے روح کی صحت کی فکر ہونی چاہیے، روح کی صحت کے لیے جملہ عبادات انجام دینا، فضائل سے اس کو آراستہ کرنا، ذکر و وظائف کی ٹانک اس کو پہنچاتے رہنا، اخلاقِ رذیلہ (شہوت پرستی، حسد، کینہ، بغض، حرص، حبِّ جاہ، حبِّ مال، کبر وغیرہ) کے زہریلے اثرات سے اس کو دُور رکھنا نہایت ضروری ہے، ان باتوں کے ساتھ ساتھ جسم کی قوت کے لیے حلال مقوی غذاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے، اسی سے صحت مند جسم تیار ہوتا ہے، کھانے کا مناسب وقت اور کھانے کی صحیح مقدار کا بھی لحاظ ہو؛ کیونکہ امت کا بڑا طبقہ بے وقت کھاتا ہے اور بے حد وحساب کھا جاتا ہے، گھر کی غذاؤں پر بازاری غذاؤں کو ترجیح دیتا ہے، جس کی وجہ سے دیر رات تک ہوٹلوں کا بازار گرم رہتا ہے اور شادی بیاہ کی دعوتیں دیر رات تک ہوتی ہیں، افسوس اِس بات پر ہے ڈاکٹروں کا بازار ہسپتالوں کی شکل میں ہے، وہ اپنی تجارت کو کیسے آگے بڑھائیں اس فکر میں لگے ہیں، ہوٹلوں میں سرمایہ لگانے والے اپنی تجارت کو لے کر فکر مند ہیں اور شادی بیاہ کرنے والے سماج کو خوش کرنے کے لیے در پردہ اپنے عزیزوں کو بے وقت بے ڈھب کھلا کر ان کو ہسپتالوں کے حوالے کر دیتے ہیں؛ مگر کسی کو اپنی صحت کا خیال نہیں ہوتا، اللہ کی عطاء کردہ صحت بچانے کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔ وإلى الله المشتكىٰ

اللہ ہم سب کو، سارے مؤمن مرد اور عورتوں کو، بچے، بوڑھے اور جوانوں کو صحت وعافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے، قابلِ رشک زندگی اور قابلِ رشک موت نصیب فرمائے۔ آمین

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ (قسط سوم)

آثارِ قیامت

ازقلم: مفتی عبدالغفار صاحب قاسمی، مہتمم مدرسہ عربیہ انعام الحسن بنگلور

پچھلی دو قسطوں میں قربِ قیامت میں پیش آنے والے واقعات کو قلم بند کیا گیا تھا۔

بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یاجوج ماجوج نکل آئیں گے اور پھر مؤمنین کی دعاء سے اللہ رب العزت ان کو موت دے گا اور اُن کی لاشوں کی چکنائی کی وجہ سے تعفن ہونے لگے گا تو پھر مؤمنین اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں گے، تو اللہ رب العزت بڑے بڑے پرندے بھیجے گا، جن گردنیں بختی اُونٹ کی گردنوں کی طرح ہوں گی، یہ پرندے ان کی لاشوں کو اُٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۔

پھر اللہ ایسی بارش برسائے گا جس سے نہ کوئی مٹی کا گھر بچے گا نہ چمڑے کا نہ کوئی خیمہ (یعنی یہ بارش مکانات والی بستیوں میں بھی ہوگی اور جنگلوں میں بھی جہاں خانہ بدوش خیموں میں رہے ہیں) یہ بارش زمین کو دھو کر آئینہ کی طرح صاف کردے گی۔

پھر زمین سے اللہ کا خطاب ہوگا کہ اپنی پیداوار اُگا اور اپنی برکت از سرِنَو ظاہر کردے؛ چنانچہ اس زمانہ میں ایک انار (اتنا بڑا ہوگا کہ اسے) آدمیوں کی ایک جماعت کھا سکے گی اور اس کے چھلکے کے نیچے لوگ سایہ حاصل کریں گے اور دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ دودھ دینے والی ایک اُونٹنی لوگوں کی بہت بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگی، اور دودھ دینے والی گائے پورے قبیلہ کے لیے کافی ہوگی، اور دودھ دینے والی بکری پوری برادری کو کافی ہوگی۔

لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ (اللہ ایک خوشگوار ہوا بھیج گے گا، جو ان کے بغلوں کے بغلوں کے زیریں حصہ میں اثر انداز ہوکر مؤمن اور ہر مسلمان کی روح قبض کر (نے کا سبب بنے) گی اور (دنیا میں صرف) بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح (کھلم کھلا) زنا کیا کریں گے؛ چنانچہ قیامت انہی بدترین انسانوں پر آئے گی۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، احمد، حاکم، کنز العمال وابنِ عساکر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے یہ واقعہ ضرور ہوکر رہے گا کہ اہلِ روم ''اعماق'' یا ''وابق'' کے مقام پر پہنچ جائیں گے، ان کی طرف مدینہ سے (اس سے مراد مدینہ منورہ بھی ہوسکتا ہے اور چونکہ عربی میں مدینہ ہر شہر کو کہا جاتا ہے؛ اس لیے اس سے ''حلب'' بھی مراد ہوسکتا ہے؛

کیونکہ اعماق کے قریب یہی ایک بڑا شہر ہے) سے ایک لشکر پیش قدمی کرے گا، جب دونوں لشکر اپنے سامنے صف بستہ ہوں گے تو رومی کہیں گے کہ ہمارے جو آدمی قید کیے گئے ہیں (اور اب مسلمان ہو چکے ہیں) انھیں اور ہمیں تنہا چھوڑ دو ہم ان سے جنگ کریں گے، مسلمان کہیں گے کہ نہیں واللہ! ہم ہرگز اپنے بھائیوں کو تمہارے حوالہ نہیں کریں گے'' اس پر وہ ان سے جنگ کریں گے، اب ایک تہائی مسلمان تو بھاگ کھڑے ہوں گے، جن کی توبہ اللہ کبھی قبول نہ کرے گا (یعنی ان کو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوگی، اور ایک تہائی مسلمان قتل ہو جائیں گے، اور یہ افضل الشہداء (بہترین شہداء) ہوں گے اور باقی ایک تہائی مسلمان فتح حاصل کرلیں گے (جس کے نتیجہ میں) یہ آئندہ ہر قسم کے فتنے سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے- اس کے بعد یہ جلد ہی قسطنطنیہ (ترکی کا مشہور شہر جس کو آج کل استنبول کیا جاتا ہے) فتح کرلیں گے- اور اپنی تلواریں زیتون کے درخت پر لٹکا کر ابھی یہ لوگ مالِ غنیمت تقسیم ہی کر رہے ہوں گے کہ شیطان ان میں چیخ کر یہ آواز لگائے گا کہ مسیح (دجال) تمہارے پیچھے تمہارے گھر والوں (بستیوں) میں گھس گیا ہے، یہ سنتے ہی یہ لشکر (دجال کے مقابلہ کے لیے قسطنطنیہ) سے روانہ ہو جائے گا، اور یہ خبر (اگرچہ) غلط ہوگی؛ لیکن جب یہ لوگ شام پہنچیں گے تو دجال واقعی نکل آئے گا، ابھی مسلمان جنگ کی تیاری اور صفیں درست کرنے ہی میں مشغول ہوں گے کہ نماز (فجر) کی اقامت ہو جائے گی اور فوراً ہی بعد عیسیٰ ابنِ مریمؑ نازل ہو جائیں گے اور (مسلمانوں کے امیر کو) ان کی امامت (کا حکم) فرمائیں گے۔

اللہ کا دشمن (دجال) عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس طرح گھلنے لگے گا، جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے؛ چنانچہ اگر وہ اسے چھوڑ بھی دیتے تب بھی وہ گھل گھل کر ہلاک ہو جاتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ اسے انہیں کے ہاتھ سے قتل کریں گے، اور وہ لوگوں کو اس کا خون دکھلائیں گے، جو ان کے حربہ میں لگ گیا ہوگا۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور ان کے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں اور وہ نازل ہوں گے جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا، ان کا قد و قامت میانہ اور رنگ سُرخ و سفید ہوگا، ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ہوں گے، سر کے بال اگرچہ بھیگے نہ ہوں، تب بھی (چمک اور صفائی کی وجہ سے) ایسے ہوں گے کہ گویا ان سے پانی ٹپک رہا ہے، اسلام کی خاطر کفار سے قتال کریں گے، پس صلیب توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ (ٹیکس) لینا بند کردیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام ادیان و مذاہب کو ختم کردے گا اور (انہیں کے ہاتھوں) مسیح دجال کو ہلاک کرے گا، پس عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال رہ کر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔

(ابوداؤد، ابنِ ابی شیبہ، مسند احمد، صحیح ابنِ حبان و ابن جریر)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا، جس کا اکثر حصہ حدیثِ دجال پر مشتمل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے خبردار کیا اسی سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جب سے اللہ نے ذریتِ آدمؑ کو پیدا کیا، دنیا میں کوئی فتنہ دجال کے فتنہ سے بڑا نہیں ہوا اور اللہ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے، اور مَیں آخری نبی ہوں اور تم بہترین امت (اس لیے) وہ لامحالہ تمہارے ہی اندر نکلے گا، اگر وہ میری موجودگی (زندگی) میں نکلا تو ہر مسلمان کی طرف سے اس کا مقابلہ کرنے والا مَیں ہوں، اور اگر میرے بعد نکلا تو ہر مسلمان اپنا دفاع خود کرے گا، اور اللہ ہر مسلمان کا محافظ ونگہبان ہوگا، وہ شام وعراق کے درمیان ایک راستہ پر نمودار ہوگا، پس وہ دائیں بائیں (ہر طرف) فساد پھیلائے گا، اے اللہ کے بندو! تم اس وقت ثابت قدم رہنا، مَیں تمہارے سامنے اُس کی وہ علامات بیان کیے دیتا ہوں، جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیں، وہ سب سے پہلے تو یہ دعویٰ کرے گا کہ مَیں نبی ہوں؛ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، پھر وہ یہ دعویٰ کرے گا کہ مَیں تمہارا رب ہوں (مگر اسے دیکھنے والے کو پہلے ہی نظر میں ایسی تین چیزیں نظر آجائیں گی جن سے اس کے دعوے کی تکذیب کی جاسکتی ہے، ایک تو یہ کہ وہ آنکھوں سے نظر آرہا ہوگا) حالانکہ تم اپنے رب کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتے اور (دوسری یہ کہ) وہ کانا ہوگا؛ حالانکہ تمہارا رب کانا نہیں (تیسری یہ کہ) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوگا، جو ہر مؤمن پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

اس کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک جنت اور ایک آگ ہوگی؛ مگر حقیقت میں اس کی آگ جنت ہوگی اور جنت آگ ہوگی، پس جو شخص اس کی آگ میں مبتلا ہو اس کو چاہیے کہ اللہ سے فریاد کرے اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے، ایسا کرنے سے وہ آگ اس کے لیے اسی طرح ٹھنڈی اور بیضرر ہوجائے گی جس طرح ابراہیم (علیہ السلام) پر ہوگئی تھی۔

اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ کسی دیہاتی سے کہے گا کہ: ''اگر تیرے (مُردہ) ماں باپ کو مَیں زندہ کردوں تو کیا تُو شہادت دے گا کہ مَیں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ہاں! (مَیں شہادت دوں گا) بس دیہاتی کے سامنے دو شیطان اس کے ماں باپ کی صورت بنا کر آئیں گے اور کہیں گے کہ بیٹا! تُو اس کی پیروی کر، یہ تیرا رب ہے''۔

اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ اسے (اللہ کی طرف سے مؤمنین کی آزمائش کے لیے) ایک (مؤمن) شخص پر قرت دی جائے گی، پس وہ اس شخص کو قتل کردے گا اور آرے سے چیر کر اس کے دونوں ٹکڑے الگ الگ ڈال

دے گا، پھر (لوگوں سے) کہے گا دیکھو میرے اس (بندے) کی طرف مَیں اسے ابھی زندہ کروں گا اور یہ پھر کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا کوئی اور ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ فرمادیں گے اور خبیث (دجال) اس سے کہے گا ''بتا تیرا رب کون ہے؟'' وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے، اور تُو اللہ کا دشمن ہے، تُو دجال ہے، خدا کی قسم! (تیرے دجال ہونے کا) جتنا یقین مجھے آج ہے اتنا کبھی نہیں تھا۔

اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ بادلوں کو بارش کا حکم دے گا، وہ بارش برسائیں گے اور زمین کو اُگانے کا حکم دے گا تو وہ اُگائے گی۔

اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ اس کا گزر ایک بستی پر ہوگا، اس بستی کے لوگ اس کی تکذیب کریں گے، تو ان کے سارے مویشی ہلاک ہوجائیں گے، اور ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک بستی سے گزرے گا، وہ لوگ اس کی تصدیق کریں گے، تو وہ بادلوں کو بارش کا حکم دے گا، بادل بارش برسائیں گے، اور زمین کو اُگانے کا حکم دے گا تو وہ اُگائے گی، حتیٰ کہ اس روز شام کو جب اُن کے مویشی (جانور) چرنے کے بعد واپس آئیں گے تو وہ خوب موٹے اور فربہ ہوں گے، ان کی کوکھیں بھری ہوں گی، اور تھن دودھ سے لبریز ہوں گے، مکہ اور مدینہ کے علاوہ زمین کا کوئی علاقہ ایسا باقی نہ رہے گا جو اس کے پاؤں تلے نہ آیا ہو اور اس پر اس کا ظہور نہ ہوا ہو؛ البتہ جس درّہ سے بھی وہ مکہ اور مدینہ آنا چاہے گا فرشتے ننگی تلواریں لیے اس کے سامنے آجائیں گے (اور وہ آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرسکے گا) چنانچہ وہ کھاری زمین کے کنارے سُرخ ٹیلے کے پاس پڑاؤ ڈال دے گا، اب مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے، جن کے باعث ہر منافق مرد وعورت مدینہ طیبہ سے نکل کر دجال سے جاملے گا (ان زلزلوں کے ذریعہ) مدینہ طیبہ گندگی (منافقوں) کو اپنے سے اسی طرح دُور کردے گا جس طرح لوہار کی دھونکنی (جس سے آگ کو ہوا دی جاتی ہے) لوہے کا زنگ دُور کردیتی ہے (اسی لیے) اس دن کو ''یومِ نجات'' کہا جائے گا، (یہ حالات سن کر) اُمِّ شریک بنتِ ابی العَسکر رضی اللہ عنہا (ایک جلیل القدر صحابیہ) نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عرب اس زمانہ میں کہاں ہوں گے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''عرب اس زمانہ میں تھوڑے ہوں گے اور ان میں اکثریت بیت المقدس میں ہوں گے، ان کا امام (پیشوا) ایک مردِ صالح ہوگا (اور ایک دن یہ واقعہ ہوگا کہ) ان کا امام صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا ہی ہوگا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ابنِ مریم نازل ہوجائیں گے؛ چنانچہ امام پیچھے ہٹے گا؛ تاکہ نماز پڑھانے کے لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کو آگے کرے؛ مگر عیسیٰ علیہ السلام اس کے کاندھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے: ''آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ؛ کیونکہ نماز کی اقامت تمہارے ہی لیے ہوئی ہے؛ لہٰذا (اس وقت) مسلمانوں کو ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا''۔

جب امام نماز پڑھا کر فارغ ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: ''دروازہ کھولو (دمشق کی جامع مسجد کا دروازہ مراد ہے) دروازہ کھول دیا جائے گا، اس کے پیچھے دجال ہوگا اور اس کے ساتھ ۷۰/ہزار یہودی ہوں گے، جن میں سے ہر ایک کے پاس زیور سے آراستہ تلوار اور ساج (ایک قیمتی دَبیز کپڑے) کا لباس ہوگا، جب دجال عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو اس طرح گھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام اس سے فرمائیں گے کہ میری ایک ایسی ضرب تیرے لیے مقدر ہو چکی ہے، جس سے تو نکل نہیں سکتا؛ چنانچہ وہ اسے ''لُد'' کے مشرقی دروازے پر جالیں گے، اور قتل کر ڈالیں گے، پس اللہ یہودیوں کو شکست دے گا اور اللہ کی مخلوق میں سے جس چیز کے پیچھے بھی کوئی یہودی چھپنا چاہے گا خواہ وہ پتھر ہو یا درخت، دیوار ہو یا جانور ہو اللہ اُسے گویائی عطا فرمادیگا اور وہ پکارے گی کہ: ''اے مسلمان بندۂ خدا! یہ یہودی ہے، آ کر اسے قتل کر دے'' (اور اسی حدیث میں چند سطروں کے بعد ہے کہ): اور عیسیٰ علیہ السلام (سرکاری طور پر) زکوٰۃ لینا چھوڑ دیں گے، پس نہ بکری کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی نہ اُونٹ کی (کیونکہ سب مالدار ہوں گے، زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا)۔

بغض وعداوت ختم ہو جائے گی اور ہر زہریلے جانور کا زہر نکال دیا جائے گا، حتیٰ کہ چھوٹا بچہ اپنا ہاتھ سانپ کے منھ میں دے دے گا تو سانپ گزند نہ پہنچائے گا، اور بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح رہے گا جیسے ان کی حفاظت کرنے والا کتا، زمین امن وامان سے بھر جائے گی، جیسے برتن پانی سے بھر جاتا ہے اور معبد (سب کا) ایک ہوگا، پس اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے گی (الیٰ آخر الحدیث)۔ (ابنِ ماجہ، ابوداؤد، ابنِ خزیمہ والحاکم)

(مستفاد: علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح از مفتی اعظم مفتی رفیع عثمانی صاحب ادام اللہ ظلہٗ)

اصلاحِ معاشرہ

میناروں سے مہکتی اذاں کی خوشبو

مولانا جواد احمد خان رشادی، استاذ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور

اذان کا معنیٰ آگاہ کرنا، اعلان کرنا، اصطلاحِ شرع میں مخصوص طریقے سے مقررہ الفاظ کے ذریعہ لوگوں کو نماز کا وقت شروع ہونے کی اطلاع دینا، یعنی پانچ فرض نمازوں کو بلانے کے لیے اُونچی آواز میں جو الفاظ کہے جاتے ہیں اُسے اذان کہتے ہیں، قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے، جیسے قرآن میں کہا گیا: ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ﴾ (سورۃ الحج:۲۷) (اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو)۔

اذان دراصل اللہ کی کبریائی، اللہ کی وحدت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور فلاح وکامیابی کا اعلان ہے، اذان اسلام کی ایک عظیم امتیازی شان ہے، اسی سے ملک دارالاسلام محسوس ہوتا ہے، طحاوی شریف میں صاف ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ جس شہر یا گاؤں سے اذان کی آواز سنائی دے اُس مقام پر حملہ نہ کرو، گویا اذان امن وامان کی دلیل ہے، اذان رحمت ہے، زحمت نہیں۔

اذان کو اسلام میں شعائرِ اسلام ہونے کا درجہ حاصل ہے، جس طرح کعبہ، حجرِ اسود، مقامِ ابراہیمؑ، بیرِ زمزم، صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ، میدانِ عرفات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ شعائرِ اسلام میں ہیں اسی طرح اذان بھی شعائرِ اسلام میں سے ایک ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرمایا ہے کہ کعبہ، عرفات، مزدلفہ، جمارِ ثلاثہ، صفا، مروہ، منیٰ، جمیع مساجد، ماہِ رمضان، اشہرِ حرم، عیدالفطر، عیدالنحر، ایامِ تشریق، جمعہ، اذان، اقامت، نمازِ جماعت، نمازِ عیدین، سب شعائرِ اسلام میں داخل ہیں، معلوم ہوا کہ اذان شعائرِ دین میں سے ہے، قرآن مجید میں سورۂ حج کی آیتِ کریمہ ہے: ﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ﴾ اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگے چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے۔

دنیا کی ہر قوم وجماعت کی ایک خاص پہچان ہوتی ہے، جس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ فلاں مذہب یا نسل سے تعلق رکھتی ہے، جس طرح عسکری یا تعلیمی وغیرہ مختلف اداروں کی پہچان ان کے لباس سے ہوجاتی ہے، اِسی طرح مذہبِ اسلام بھی اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے؛ چونکہ اسلام دنیا کا مہذب اور منظّم ترین مذہب اور

دلکش شعائر کا حامل ہے، اس کے ماننے والے خاص طریقے سے عبادت کرتے ہیں اور خاص قسم کا اسلوبِ زندگی رکھتے ہیں، مسلمانوں کی اصطلاح میں ان خاص چیزوں کو شعائرِ اسلام کہا جاتا ہے، یعنی اسلام کی علامت۔

شعائر، شعیر کی جمع ہے، جس کے معنیٰ علامت کے ہیں، جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامت سمجھی جاتی ہیں وہ ان کے شعائر کہلاتے ہیں، شعائرِ اسلام ان خاص احکام کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں، حج کے اکثر احکام ایسے ہی ہیں۔

مَنْ تَقْوَى الْقُلُوْبُ یعنی شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقویٰ کی علامت ہے، ان کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے، جب اس میں خوفِ خدا ہوتا ہے تو اس کا اثر سب اعمال وافعال میں دیکھا جاتا ہے۔

اذان کا حکم شریعتِ اسلامیہ میں کب آیا، کب سے نماز کے لیے باقاعدہ اذان دی جانے لگی؟ یہ ایک اہم اور اختلافی بحث ہے، جس کے بارے میں مؤرخین ومحققین نے کلام کیا ہے؛ لہٰذا اذان کی تاریخی حقیقت جاننے کے لیے یک الگ مضمون درکار ہے؛ چونکہ اذان کی تاریخ کے حوالے سے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، جیسے کسی نے کہا کہ اذان کا حکم شبِ معراج کے موقع پر ہوا، وہاں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی اور اقامت کہی، اس کے بعد انبیاء علیہم السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی، طبرانی میں یہ موجود ہے۔

اذان کا حکم مدینہ منورہ میں مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے بعد رائج ہوا، اہلِ سنت کے پاس یہی قول مشہور ہے، یہ سیرتِ حلبیہ میں تحریر ہے۔

اذان کا حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا، فتح الباری میں مذکور ہے۔

بعض نے کہا سب سے پہلے آسمان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی اور زمین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ ہجرت کے بعد اذان شروع ہوئی۔

گویا اذان اذکارِ الٰہی میں ایک بہت بڑے رُتبے کی حامل ہے، اس میں بیک وقت توحید ورسالت کی علی الاعلان گواہی دی جاتی ہے، اس سے اسلام کی شان اور برکت کا اظہار ہوتا ہے؛ لہٰذا اذان کا احترام اور دل سے محبت ہر مؤمن کا ایمانی تقاضہ ہے۔

اذان سے اسلام کی شان اور برکت کا اظہار ہوتا ہے، احادیث میں اذان کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ چنانچہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: انبیاءؑ اور شہداء کے بعد اذان دینے والے جنت میں داخل ہوں گے۔ بعض احادیث میں ہے کہ مؤذن کا درجہ شہداء کے برابر ہے اور فرمایا کہ جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے وہاں تک سب چیزیں قیامت کے دن اذان دینے والے کے ایمان کی گواہی دیں گی اور یہ بھی ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اذان دینے میں کس قدر ثواب ہے اور پھر ان کو یہ منصب بغیر قرعہ ڈالے نہ ملے تو وہ ضرور قرعہ ڈالیں گے، یعنی سخت کوشش کریں گے؛ نیز فرمایا کہ اگر کوئی شخص سات برس تک محض ثواب کے واسطے اذان دے تو اس کے لیے جہنم سے نجات اور جنت کی خوش خبری ہے۔

اذان کے وقت شیطان پر نہایت خوف اور ہیبت طاری ہوتی ہے، جس سے وہ بدحواس ہوکر بھاگتا ہے اور جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے نہیں ٹھہرتا، جس مقام پر اذان دی جاتی ہے وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور وہ مقام آفات وبلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ ؎

خواب پہلی اذان پر ٹوٹا
ہم تھے دریا میں کودنے والے

کیا اذان لاؤڈ اسپیکر میں دینا ضروری ہے؟ جی نہیں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دَور میں اور بعد میں تابعین وتبع تابعین کے بعد بھی لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا۔ ؎

مِرے کانوں کو دستک کی ضرورت نہیں
مجھے عشق اُٹھاتا ہے اذاں سے پہلے

اس وقت اذان مسجد کے مینارے سے یا چبوترے پر کھڑے ہوکر دی جاتی تھی؛ تاکہ دُور تک اذان کی آواز پہنچ سکے۔ ؎

خواب گاہوں سے اذانِ فجر ٹکراتی رہی
دن چڑھنے تک خامشی منبر پہ چلاتی رہی

اذان لاؤڈ اسپیکر پر دینے کی ممانعت بھی نہیں ہے، ہاں! اسلام میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ لوگوں کو تنگ نہیں کیا جائے، کسی کو ہماری طرف سے ذرّہ برابر بھی تکلیف نہ پہنچے، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، جیسا کہ حجرِ اسود کا بوسہ لینا مسنون ہے؛ لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اِس بات کی تاکید فرمائی کہ تم قوی آدمی ہو، لوگوں کو تکلیف دو گے؛ لہٰذا آواز کم سے کم رکھی جائے؛ تاکہ مقصد بھی پورا ہوجائے اور لوگوں کو تکلیف بھی نہ ہو۔

اذان سے نیند میں خلل پڑھنے یا اس سے ڈسٹرب ہونے کی شکایت حالیہ دنوں میں جس طرح سامنے اائی ہے، اس کا فلسفہ سمجھ سے باہر ہے؛ چونکہ آج کل ٹماٹر فروخت کرنے والا ہو یا چوہوں کو مارنے کی دوا بیچنے والا ہو، ہر پھیری والا، یہاں تک کہ کچرا کوڑا لے جانے والا بھی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنے لگا ہے، کیا حکومت ان پر بھی پابندی لگانے پر غور کرے گی؟ ؎

ناقوس کی صداؤں سے اور نہ اذان سے
نفرت ہے اس کو ملک کے اَمن و اَمان سے

جہاں تک اذانِ فجر کا معاملہ ہے، اگر اس علاقے میں برادرانِ وطن بھی رہتے ہوں تو ضرور اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ ہماری طرف سے کسی کو اذیت نہ ہو، اسلام کی تعلیمات میں اعتدال اور میانہ روی کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے، شریعت نے بلاضرورت حد اعتدال سے بڑھ کر آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا ہے، قرآن مجید میں خود اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ﴾ چال میں اعتدال رکھو اور آواز کو ہلکی رکھو۔ (سورۂ لقمان، آیت:۱۹)

قرآنِ کریم کی تلاوت سے بڑھ کر کیا عمل ہوسکتا ہے؛ لیکن اس میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہوا ہے۔ مسلمانانِ ہند کو ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کرنے اور ہوش وحواس سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ پابندی لاؤڈ اسپیکر پر لگی ہے، اذان پر نہیں، جہاں مسجدوں کو حکم ہوا ہے وہیں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو بھی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے روکا گیا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ساری دنیا میں ہر وقت توحید ورسالت کی گواہی دی جاتی رہتی ہے، ایک لمحے کے لیے بھی یہ بند نہیں ہوتا، قدرت کا عجیب وغریب نظام ہے کہ پورے عالم میں چوبیس گھنٹے اذان کی صدا بلند ہوتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا، جب تک اذان ہوتی رہے گی، تب تک یہ دنیا باقی رہے گی، جب یہ سلسلہ بند ہوگا تو قیامت قائم ہوگی۔ ؎

نہ نکلنے پر تھا بضد سورج
پھر کسی کی اذاں سے نکلا

❑❖❑

تذکرۂ اولیاء

یادگارِ سلف حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نور اللہ مرقدہٗ

تعلیم وتدریس اور عادات وخصائل پر ایک نظر

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عفان صاحب منصور پوری (صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

۲۶/ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۷/جون ۲۰۲۲ء بہ روز پیر صبح تقریباً نو بجے نمونۂ اسلاف، عارف باللہ، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نور اللہ مرقدہٗ نائب مہتمم واستاذ حدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ تواضع، سادگی، جفاکشی، جرأت اور اتباعِ سنت سے عبارت ۹۵/سالہ زندگی گزار کر ربِ رحمٰن ورحیم کے جوار میں پہنچ گئے، اِنَّـآ لِـلّٰـهِ وَاِنَّـآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، باری تعالیٰ حضرت مولانا کی مغفرت فرمائیں، اُن کی دینی خدمات کا اپنی شایانِ شان بدلہ مرحمت فرمائیں اور جملہ پسماندگان ومتعلقین اور تلامذہ کو صبرِ جمیل نصیب فرمائیں۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے بام ودَر اُداس ہیں، فضاء سوگوار سی ہے، وہ شخصیت رخصت ہوئی ہے، جس نے مدرسہ کو دل وجان سے عزیز جانا، اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر کے مسلسل چھیاسٹھ سالہ کامیاب تدریسی زندگی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا جس کی نظیر ماضی میں بھی ملنی مشکل ہے اور جس کو مستقبل میں بھی بآسانی توڑا نہیں جاسکتا، گزشتہ تقریباً پون صدی تک وہ مدرسہ کے ایسے مخلص خادم، خیر خواہ اور جزء بن کر رہے کہ ان کا نام آتا تو مدرسہ کا تصور ہوتا اور مدرسہ کا ذکر ہوتا تو ان کا تصور وتذکرہ بھی ضرور ہوتا، آج مسندِ حدیث ان کو تلاش رہی ہے، جامع مسجد کے مختلف گوشے اور منبر ومحراب - جہاں وہ بیٹھ کر تلاوت وعبادت میں مصروف رہتے تھے - منتظر دکھائی دے رہے ہیں۔

منتظمین افسردہ ہیں کہ حضرت مولانا کی رحلت سے انتظام کا ایک ایسا ستون گرا ہے جس نے اپنے کاندھوں پر بڑا بوجھ اُٹھا رکھا تھا۔

اساتذہ وطلبہ مغموم ہیں کہ وہ ایک باپ جیسی شفقت اور ماں جیسی محبت کرنے والے مربی وسرپرست سے محروم ہوگئے۔

جمعیۃ علماءِ امروہہ اور اس کے اراکین ملول خاطر ہیں اور وہ ایک صائب الرائے، مضبوط جماعتی نظریے کے حامل شخصیت کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

اہلِ شہر اور علاقے کے لوگ پریشان ہیں کہ ہمہ وقت آسانی سے دستیاب رہتے ہوئے سب کی باتیں توجہ سے سن کر رہنمائی کرنے والی شخصیت اب کہاں ملے گی؟

ولادت اور تعلیم

۱۹۲۹ء کے اواخر میں شہر امروہہ سے آٹھ کلومیٹر دُور قصبہ جویا میں تُرک برادری سے تعلق رکھنے والے ایک کاشتکار گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی، آٹھ ماہ کے ہوئے تو شفقت پدری سے محروم ہوگئے، .....ء میں آپ کے والد محترم جناب کفایت اللہ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا، سات سال کی عمر ہوئی تو والدہ محترمہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں، اب تعلیم وتربیت اور کفالت کی ساری ذمے داری بڑے بھائی جناب ملا جی عباس صاحب کے کاندھوں پر آ گئی جسے اخیر تک انہوں نے بخوبی نبھایا۔ ملا جی عباس صاحب جویا کے مشہور معالج جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب کے والد محترم تھے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور حضرت سے بڑا نیاز مندانہ اور عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔

قرآنِ کریم، دینیات، اُردو، ہندی اور فارسی وغیرہ کی تعلیم جویا ہی میں حاصل کی، یہاں آپ کے اساتذہ میں ماسٹر ثناء اللہ صاحب اور حکیم محمد یامین صاحب تھے، اوّل الذکر سے اُردو ہندی وغیرہ اور ثانی الذکر سے گلستاں، بوستاں اور دیگر فارسی کتابیں پڑھیں، آپ باضابطہ حافظِ قرآن تو نہ تھے؛ مگر کثرتِ تلاوت کی بناء پر آیاتِ مبارکہ آپ کی زباں پر رَواں تھیں اور غلط پڑھنے والے کو لقمہ بھی دے دیا کرتے تھے۔

عربی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے امروہہ آئے اور دارالعلوم حسینیہ چلہ میں داخلہ لیا، یہاں آپ کے مخصوص اساتذہ میں مولانا عبدالودود صاحبؒ تھے، جہاں آپ نے عربی اوّل اور دوم کی کتابیں پڑھیں، منشی کا امتحان دیا اور پھر اپنے استاذ مولانا عبدالودود صاحب کے ساتھ مرادآباد آ گئے اور مدرسہ عربیہ امدادیہ میں داخلہ لیا ایک سال وہاں گزارا تھا کہ ۱۹۴۸ء میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو مرادآباد سے امروہہ آ گئے اور اپنے ایک ساتھی مولانا محمد صاحب کی ترغیب پر مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا اور یہاں حضرت مولانا منظور احمد صاحب رحمہ اللہ (جو جویا کے قریب ڈھکیہ گاؤں کے رہنے والے تھے) کی شاگردی اختیار کی، مولانا منظور صاحب نے عربی فارسی کی وہ تمام ابتدائی کتابیں - جو پچھلے تین سالوں میں مولانا محمد اسماعیل صاحب مختلف اساتذۂ کرام سے پڑھ چکے تھے- دوبارہ پڑھائیں، اس دَوران استاذ وشاگرد کے درمیان نیازمندی وعقیدت کا ایسا مثالی تعلق قائم ہوا کہ پھر مرتے دم تک دونوں یک جان

ودو قالب بن کر رہے، سفر ہو یا حضر، دونوں حضرات ایک ساتھ دکھائی دیتے، ایک کی موجودگی دلالت ہوتی دوسرے کی موجودگی پر۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں آپ کے دیگر اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ، حضرت مولانا عبدالقدوس صاحبؒ اور حضرت مولانا عزت اللہ صاحبؒ نمایاں ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

تقریباً چار سال امروہہ میں رہ کر ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درسِ نظامی کے علاوہ طب وہیئت، ادب اور فلسفہ سے متعلق کتابیں بھی پڑھیں۔ طب کی کتابیں حکیم محمد عمر صاحب سے، علم ہیئت سے متعلق کتب حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے اور ادب سے متعلق کتابیں: دیوانِ متنبّی اور سبعہ معلقہ وغیرہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ سے پڑھیں۔

صحیح بخاری مکمل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے پڑھی؛ جب کہ مسلم شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، ترمذی شریف حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ سے پڑھی۔

۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی، یہ آخری سال تھا جس میں حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے مکمل بخاری شریف پڑھائی تھی۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے رفقاء میں حضرت مولانا خورشید عالم صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا معین الدین خاں صاحب گونڈویؒ سابق شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد، حضرت مولانا نفیس اکبر صاحبؒ سابق صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ باندا، حضرت مولانا شبیہ احمد خان صاحب فیض آبادیؒ سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، حضرت مولانا حسیب صدیقی صاحبؒ سابق منیجر مسلم فنڈ دیوبند اور حضرت مولانا عقیل الرحمٰن صاحب مدظلہٗ العالی شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد نمایاں ہیں۔

ان کے علاوہ بعض درجات میں حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوری، حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب اور حضرت مولانا بلال اصغر صاحب مدظلہم العالی بھی آپ کے ساتھ رہے۔

تدریسی سلسلہ کا آغاز

دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کر کے آپ اپنے وطن جویا (امروہہ) واپس آ گئے اور خسر صاحب کے اصرار پر پرچون کی دوکان کھول کر کاروبار شروع کیا؛ لیکن بڑے بھائی کو یہ چیز بالکل پسند نہ آئی، انہوں نے کہا ہم نے تمہیں اِس لیے نہیں پڑھایا کہ تم دوکان کرو، تمہیں تو دین کی خدمت کرنی ہے اور بچوں کو وہی پڑھانا ہے جو پڑھ کر آئے ہو، خرچ کی فکر مت کرو، ہم کھیتی کی آمدنی کا چوتھائی حصہ تمہیں دیں گے؛ چنانچہ دوکان وغیرہ چھوڑی اور چوپال پر بچوں کو جمع کر کے پڑھانا شروع کر دیا، اسی دَوران ایک مرتبہ حضرت مولانا سید اعجاز حسنین صاحبؒ مہتمم مدرسہ، قاری فضل الرحمٰن صاحبؒ ناظم مدرسہ اور حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ جویا تشریف لائے اور مولانا محمد اسماعیل صاحب سے جامع مسجد امروہہ آنے کی درخواست کی، مولانا اپنے بھائی کے مشورے سے ۱۹۵۷ء میں اپنی مادرِ علمی مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ میں ایسے آئے کہ پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابوں سے تدریس کا آغاز کیا، حیرت کی بات یہ ہے کہ تقرر کے موقع پر تنخواہ کی کوئی بات ہی نہ ہوئی، ایک مہینہ گزرا، دو مہینے گزرے، یہاں تک کہ پورا سال گزر گیا نہ ذمے داران کی طرف سے مشاہرہ دیا گیا اور نہ ہی مولانا نے حق المحنت کا مطالبہ کیا، بالآخر ڈیڑھ سال کے بعد روپئے ماہانہ کے اعتبار سے تنخواہ شروع ہوئی، اس دَوران نہ کبھی کسی سے کوئی شکایت کی اور نہ اپنی ذمے داریوں کی ادائیگی میں کوئی سستی برتی۔

مدرسہ سے لگاؤ

کچھ عرصہ کے بعد ضلع مرادآباد کے قصبہ کانٹھ سے مدرسہ کے ذمے داران کے پاس ایک تقاضہ آیا تو مہتمم صاحب اور ناظم صاحب نے مولانا محمد اسماعیل صاحب کو بلا کر ان کے سامنے تقاضہ رکھا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ کانٹھ چلے جائیں ساٹھ روپئے تنخواہ ملے گی، جامع مسجد میں امامت کرنی ہوگی اور مدرسہ میں تدریس کا موقع بھی ملے گا، مولانا کو اپنی مادرِ علمی سے ایسا لگاؤ تھا کہ اس پیشکش کو نامنظور کر دیا اور فرمایا کہ میں تو اپنے گھر سے جامع مسجد امروہہ کی نیت کر کے آیا ہوں مجھے کسی اور جگہ سو روپئے بھی تنخواہ ملے گی تو نہیں جاؤں گا، یا تو یہیں خدمت کروں گا یا اپنے گھر چلا جاؤں گا، یہ جواب سن کر ذمے داران بھی خاموش ہو گئے اور پھر کہیں اور جانے کی کبھی ان سے کوئی گزارش نہ کی۔ اس طرح ۱۹۵۷ء سے تاحینِ حیات ۲۰۲۲ء تک حضرت مولانا مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ ہی میں مصروفِ خدمت رہے اور درجاتِ ابتدائیہ، متوسطہ اور نہائیہ سے متعلق مختلف علوم وفنون کی کتابیں آپ کے زیرِ درس رہیں۔

تلامذہ

امروہہ میں ہزاروں تشنگانِ علومِ نبوت کو آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کا موقع ملا، جن کی فہرست بہت طویل ہے، حضرت مولانا ڈاکٹر سید طارق حسن صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، حضرت مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوری ممبئی، حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب قاسمی مالیگاؤں رکنِ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اخلد رشیدی صاحب مقیم مدینہ منورہ، حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماءِ ہند، حضرت مولانا سید ازہد مدنی صاحب دیوبند، حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب میرٹھ، حضرت مولانا قاری محمد آفتاب صاحب استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اسعد قاسم صاحب سنبھلی مہتمم مدرسہ شاہ ولی اللہ مرادآباد، حضرت مولانا اسلم صاحب نجیب آباد، حضرت مولانا قاری نجیب الرحمٰن صاحب مرادآباد، حضرت مولانا الیاس صاحب میرٹھ، حضرت مولانا حمید اللہ صاحب آسنسول بنگال اور حضرت مولانا مصلح الدین صاحب استاذ مدرسہ حسینیہ لال دروازہ جون پور وغیرہ آپ کے نمایاں تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

عادات واوصاف

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اوصاف وخصائل میں سب سے نمایاں وصف کسر نفسی، تواضع اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا تھا، وہ انتہائی سادہ لباس، سادہ مزاج اور بے ضرر انسان واقع ہوئے تھے، کیا یہ قابلِ رشک بات نہیں ہے کہ..... سالہ اس طویل زندگی میں نہ انہیں کسی سے کوئی شکایت ہوئی (کسی سے کوئی ناگواری ہوئی بھی ہو تو اس کا کبھی اظہار نہیں کیا) اور نہ ان سے کسی کو کوئی شکایت ہوئی، وہ ہر دلعزیز تھے اور سب کا بھلا چاہنے والے تھے، بڑے ہوں یا چھوٹے، عوام ہوں یا خواص سب کی نگاہ میں یکساں طور پر ان کو احترام کا مقام حاصل تھا، وہ سب سے بڑی نرمی کے ساتھ اور آپ جناب سے گفتگو فرماتے تھے، پوری زندگی نہ کبھی کسی کو گالی دی اور نہ کوئی نازیبا جملہ استعمال کیا، وہ اپنا کام خود کرنے کے عادی تھے، حد یہ ہے کہ دفتر میں ملازمین کے موجود ہونے کے باوجود انہیں کوئی کام ہوتا تو خود اُٹھ کر تشریف لے جاتے، کسی سے اپنے کام کے لیے کہنا اُنہیں پسند ہی نہیں تھا، مدرسہ کے لیے غلہ کی وصولیابی کے زمانہ میں اَناج کی بوری کو اپنی کمر پر رکھ کر نیچے اتارنے میں یا گاڑی پر چڑھانے میں بھی انہیں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا، جس برتن میں کھانا آتا تھا اسے اپنے ہاتھوں سے دھوکر

رکھ دیا کرتے تھے، مدرسہ میں یا گھر کے سامنے نالی میں پانی رُک جاتا تو اپنے ہاتھوں سے نالی صاف کرنے میں بھی اُنہیں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا، تدریس کے اس طویل ترین دَورانیے میں طلبہ سے کبھی کسی طرح کی کوئی خدمت لیتے ہوئے انہیں دیکھا ہی نہیں گیا، جبکہ دوسروں کی خدمت کے لیے ہردم تیار رہتے، خود فرماتے تھے کہ .....ءتک میری تنخواہ کا بیشتر حصہ طلبہ کی ضروریات میں خرچ ہوجایا کرتا تھا، گھر بھیجنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بعض طلبہ شریر ہوتے ہیں وہ حضرت کی نرم مزاجی سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے، ایسا کئی بار ہوا کہ دو طالب علم جھگڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے اور شکایت کی کہ حضرت یہ میرے دس روپے نہیں دے رہا ہے، حضرت نے پوچھا: تم اس کے پیسے کیوں نہیں دیتے، اس نے جواب دیا: حضرت میرے پاس پیسے نہیں ہیں، میں کہاں سے دُوں؟ تو حضرت اپنی طرف سے پیسے دے کر بروقت معاملہ نمٹوا دیتے، صلح صفائی ہوجاتی، پھر اس طالب علم سے کہتے تم بعد میں میرے پیسے لوٹا دینا؛ لیکن بعد میں پھر کون لوٹاتا ہے؟ نہ طالب علم دیتا تھا اور نہ حضرت کو یاد رہتا تھا اِس طرح تنخواہ کہاں خرچ ہوجاتی تھی پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

طلبہ آپ کو اَبا کہتے تھے اور ضد کر کے اپنی ہر بات منوالیا کرتے تھے، مدرسہ سے باہر جانا ہوتا تو پرچی پر بآسانی مولانا سے دستخط کروا کر باہر چلے جاتے، کسی کو کوئی سفارش کرانی ہوتی تو مولانا سب کی خیرخواہی کے لیے سفارش کے واسطے ہروقت تیار رہتے۔

معمولی بے اصولیوں یا غیر حاضری کی کثرت کی بنا پر وہ طلبہ کے اخراج کے سخت مخالف تھے، حتی الامکان کوشش کرتے تھے کہ طالبِ علم مدرسہ سے جُڑا رہے، فرماتے تھے کہ مدرسہ میں رہے گا تو کم سے کم نماز تو پڑھتا رہے گا، گھر چلا جائے گا تو پتہ نہیں کن کن خرافات میں مبتلا ہوجائے گا۔

کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تو مزاج پُرسی کے لیے جانے کی کوشش فرماتے، ایک مرتبہ مولانا کے قریبی رشتہ داروں کا آپس میں جھگڑا ہوگیا، مار پٹائی کی نوبت بھی آ گئی اور دونوں طرف سے کچھ لوگ زخمی بھی ہوگئے، مولانا جب امروہہ سے جویا آئے تو اپنے گھر کے لوگوں کے احوال معلوم کرنے سے پہلے مخالف پارٹی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے پاس گئے اور ان کی مزاج پُرسی کی، بعد میں اپنے قریبی لوگوں کے پاس آ کر ان کے حال چال جانے۔

امروہہ یا قرب وجوار کے دیہات میں سے کسی متعلق کے وفات کی خبر آتی تو تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے، غسل کے عمل میں شرکت فرماتے، جنازہ کے ساتھ قبرستان جاتے پھر تدفین کے بعد قبر کی مٹی کو اپنے ہاتھوں سے دیر تک درست فرماتے رہتے۔

کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی حضرت کو تنہائی میں بھی چہار زانو یا تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا، ہمیشہ ایک پاؤں کھڑا کر کے یا دوزانو ہی بیٹھتے تھے، اپنے شاگردوں کی موجودگی میں بھی نمایاں مقام پر بیٹھنا پسند نہیں فرماتے تھے، مدرسہ کے جو جلسے حضرت کی سرپرستی اور صدارت میں منعقد ہوتے اس میں بھی آپ سامعین کے درمیان جہاں جگہ ملتی بیٹھ جایا کرتے تھے، اصرار کے بعد اسٹیج پر تشریف لے جاتے اور کئی کئی گھنٹے ایک پہلو پر بیٹھے رہتے۔

شجاعت و بہادری

انتہائی درجہ سادگی کے باوجود آپ بڑے باہمت جری اور اولوالعزم بھی واقع ہوئے تھے، جو موقف اختیار کرتے اس پر مضبوطی سے جم جاتے، صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

بہادری کا یہ عالم تھا کہ.....ء میں مولانا کے گھر کے پڑوس میں چور آ گئے، جب شور ہوا تو رات میں تنہا ان سے مقابلے کے لیے باہر نکلے اور دو چوروں کی گردنوں کو اپنے ہاتھوں میں ایسا دبوچا کہ ان کا پیچھا چھڑانا بھاری پڑ گیا، بالآخر تیسرے ساتھی نے مولانا پر گولی چلادی، دایاں ہاتھ اور سینہ شدید طور پر زخمی ہوا، آپریشن کر کے جتنے چھرے نکالے جاسکتے تھے نکالے گئے پھر بھی کافی بچ گئے جو اخیر تک سینے میں پیوست رہے، اس سخت ترین مرحلہ کو اپنی ہمت و طاقت سے آپ نے عبور کیا، اللہ پاک نے حفاظت فرمائی اور صحت یاب ہوئے۔

جفاکشی

دسیوں سال تک جویا سے امروہہ آٹھ کلومیٹر کی مسافت صبح و شام پیدل ہی طے فرماتے، اس کے بعد سواری سے آنے لگے تھے؛ لیکن بس اسٹینڈ سے مدرسہ تک.....، سال کی عمر تک پیدل ہی آنے کا معمول رہا، اخیر اخیر تک کوئی چھڑی وغیرہ بھی لینے کی عادت نہیں تھی، فجر کی اذان کے بعد ناشتہ کرتے اور ناشتہ بھی کوئی پُرتکلف نہیں؛ بلکہ ایک دو روٹی چور کر چائے میں ڈالتے اور اس کو نوش فرمالیتے پھر ضروریات سے فارغ ہو کر کبھی تو فجر کی نماز بھی امروہہ ہی میں ادا فرماتے اور اکثر نمازِ فجر جویا میں پڑھتے پھر گھنٹے سے پہلے مدرسہ تشریف لے آتے، دوپہر میں کھانا کھانے کا معمول ہی نہیں تھا، اکثر نمازِ عصر سے پہلے اور کبھی نمازِ عصر کے بعد گھر واپس تشریف لے جاتے اور مغرب بعد کھانا تناول فرماتے۔

سنت کی اتباع آپ کا پسندیدہ شوق تھا، ہر کام سنت کے مطابق کرنے کی فکر کرتے تھے۔

تلاوت کا معمول بہت پختہ تھا، ہر فرض نماز سے پہلے اور بعد میں دیر تک قرآن پاک کی تلاوت فرماتے،

جامع مسجد امروہہ میں ظہر کی نماز کی امامت اکثر آپ ہی فرماتے، اذان کے فوراً بعد نماز سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی مسجد میں پہنچ جاتے اور سنتوں سے فارغ ہوکر تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوجاتے۔

اخیر زمانہ تک شرح وقایہ، مشکوٰۃ شریف اور موطا امام محمد آپ کے زیرِ درس رہیں، اندازِ تدریس بھی بہت سادہ تھا، حل عبارت اور صورتِ مسئلہ کی تفہیم پر توجہ دیتے تھے، زیادہ وقت چہرہ کتاب ہی کی جانب ہوتا تھا سر اُٹھا کر مخاطب کم ہی ہوتے تھے۔

اساتذہ سے تعلق وربط

اپنے اساتذۂ کرام بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ اور حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ سے آپ بہت متاثر تھے اور گہری عقیدت رکھتے تھے، آخرالذکر یعنی مولانا منظور احمد صاحبؒ سے۔

تو آپ کو عشق کے درجہ کا تعلق تھا.....سال سے زائد کا عرصہ اپنے استاذ کے ساتھ ایسا گزارا کہ دونوں کی جوڑی اور باہمی تعلق مثالی بن گیا، سفر ہو یا حضر، دونوں ساتھ دکھائی دیتے، امروہہ کے قرب وجوار دیہات میں ان حضرات کا اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ کا بکثرت جانا ہوتا تھا، جس کے نتیجہ میں گاؤں گاؤں دینی ماحول عام ہوا، بدعات کا قلع قمع ہوا اور پورا علاقہ مضبوطی کے ساتھ مدرسہ سے جُڑ گیا۔

حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کا تذکرہ بھی آپ بہت کرتے تھے، بارہا مجھ سے فرمایا: ''آپ جب چھوٹے سے تھے تو مفتی نسیم احمد فریدی صاحبؒ آپ کو گود میں بٹھا کر اپنی جیب سے کشمش نکال کر کھلایا کرتے تھے، مجھے اسی وقت سے آپ سے تعلق ہے''۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے تو بچپن ہی سے آپ کو عقیدت تھی؛ کیونکہ بڑے بھائی حضرت سے مرید تھے اور ان کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے، دارالعلوم دیوبند جانے کے بعد مولانا کو بھی حضرت مدنیؒ سے بہت قرب ہوگیا تھا، روزانہ حضرت کی مجلس میں شریک ہوتے، بیعت کا ارادہ بھی حضرت ہی سے تھا؛ لیکن زمانۂ طالبِ علمی میں حضرت بیعت نہیں فرماتے تھے؛ اس لیے فراغت کے بعد سلسلۂ ارادت میں داخل ہونے کا عزم تھا، خود فرماتے تھے کہ: مجھے حضرت مدنیؒ سے ایسی محبت ہوگئی تھی کہ ان کو دیکھے بغیر چین نہیں ملتا تھا، لیگ اور کانگریس کے اختلافات کے زمانہ میں اگر کوئی حضرت مدنیؒ کے سلسلہ میں کچھ کہہ دیتا تھا تو مجھ سے برداشت نہیں ہو پاتا تھا''۔

حضرت مدنی سے اپنے تعلق کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ مولانا نے یہ واقعہ سنایا کہ ۶ ء شعبان کے اواخر میں حضرت مدنیؒ بخاری شریف مکمل کر کے رمضان گزارنے کے لیے اپنے وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد تشریف لے جانے لگے، بہت سے لوگوں کے ساتھ میں بھی حضرت کو رخصت کرنے کے لیے دیوبند ریلوے اسٹیشن تک آیا، جب حضرت ٹرین پر سوار ہوکر جانے لگے تو میری چیخیں نکل گئیں عجیب کیفیت سے دوچار ہوا اور اپنے اُوپر قابو نہ رکھ سکا، لوگوں نے سنبھالا تو کچھ دیر کے بعد حالت معمول پر آئی، ارادہ تھا کہ حضرت واپس تشریف لائیں گے تو بیعت ہوجاؤں گا؛ لیکن واپسی کے بعد حضرت کی طبیعت ٹھیک نہ رہی یہاں تک کہ درمیان سال میں آپ کا وصال ہوگیا، حضرت مدنیؒ کے بعد کوئی آنکھوں میں جچتا ہی نہ تھا''۔

بعد میں آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، شاہ صاحب کے انتقال کے بعد فرماتے تھے کہ میرے لیے تو سب کچھ حضرت مولانا منظور احمد صاحب تھے وہی میرے استاذ تھے، وہی شیخ اور وہی مصلح۔

فکری طور پر جمعیۃ علماء اور اس کے اکابر سے آپ کی بڑی گہری وابستگی تھی، جمعیۃ علماء کی پالیسیوں اور اس کے فیصلوں سے آپ مکمل اتفاق رکھتے اور جمعیۃ کے چھوٹے بڑے تمام پروگراموں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے۔

بہرحال ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنی خصوصیات واوصاف کے اعتبار سے ایک بے نظیر و بے مثال انسان تھے، ہم اپنے اکابر کی تواضع اور سادگی کے جو واقعات سنتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں مولانا اس کی منہ بولتی تصویر تھے، مشیتِ ایزدی کے مطابق مولانا ہمارے درمیان سے رخصت ہوگئے اب ان کی یادیں اور تذکرے ہی باقی رہ گئے، باری تعالیٰ مولانا مرحوم کے نقوشِ قدم پر چلنا ہم سب کے لیے آسان فرمائیں۔

مولانا مرحوم کے پسماندگان میں چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں، چاروں صاحبزادگان ماشاء اللہ عالمِ دین ہیں: مولانا محمد عارف صاحب، مولانا محمد طارق صاحب، مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا عبد القادر صاحب۔

باری تعالیٰ جملہ اہلِ خانہ و متعلقین کو صبر جمیل نصیب فرمائیں اور مولانا مرحوم کی دینی خدمات کا اپنی شایانِ شان بدلہ مرحمت فرمائیں۔

❑❖❑

کارگزاری

سرورِ کونین ﷺ کے دربار سے بارگاہِ ربِّ ذوالجلال تک

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مدینہ منورہ ایسی پُر کیف، راحت بخش اور دل آویز بستی ہے کہ یہاں جو آئے واپس جانے کا تصور ہی اُس کے لیے رنج اور صدمے کا باعث ہوتا ہے، ایسی مبارک بستی اور کہاں ہوگی جہاں ہر وقت نور ونکہت کی بارش ہوتی رہتی ہے، سکینت کی کی چادر تنی رہتی ہے اور بڑے سے بڑے مجرم کو بھی رحمۃ للعالمینؐ کے بحرِ رحمت وکرم سے تسلی وسکون کے جامہائے شیریں ملتے رہتے ہیں، یہاں ایک احساس ہے اپنائیت کا، یہاں ایک کیف ہے دستِ شفقت کے سر پہ ہونے کا، یہاں ایک سہارا ہے توجہ وعنایت کا، یہاں ایک آسرا ہے محبت وشفاعت کا، مجھ سا گنہگار بھی یہاں کے ایک ایک ذرّے سے طمانینت پاتا ہے، مجرم وخطا کار یہاں کی فضا میں سرکار کے قدموں کی آہٹ پاتا ہے، اور اس تمنا کیساتھ وقت گزارتا ہے کہ ''جی چاہتا ہے کہ نقشِ قدم چومتے چلیں!'' یہاں کے ذروں کی بھی قسمت دیکھیے، یہاں کے سنگریزوں کا نصیبہ ملاحظہ کیجیے کہ انہوں نے کائنات کی سب سے مقدس ہستی کے قدم چومے، برسوں گزرے اسی مبارک سرزمین پر مسجدِ نبویؐ کے آغوش میں روضۂ اطہر کے قریب مشہور عاشقِ رسول اور صاحبِ نسبت شیخ پیر جماعت علی شاہ فروکش تھے، حج کے لیے حاضری ہوئی تھی، حج کے مناسک سے فارغ ہوکر اب ان کا قافلہ مدینۃ النبی میں خیزہ زن تھا، پیر صاحب عشق ووارفتگی میں ممتاز تھے، عشقِ نبوت سے سینہ لبریز تھا، قافلے میں موجود ایک شاعر نے میر صاحب کی اجازت سے چند شعر سنائے، جذبات کیف ومستی عروج پر آگئے، یہاں تک کہ شاعر نے یہ شعر سنایا ؎

کہاں ایسے نصیب اللہ اکبر سنگِ اسود کے
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمدؐ کے

بس پیر جماعت علی شاہ بے خود ہوکر کھڑے ہوگئے، وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، صدری میں سفر حج کے اخراجات کے ساتھ اس زمانے کے لحاظ سے کافی معقول رقم تھی، صدری اُتار کر رقم سمیت شاعر کو بخش دی، اور فرمایا کہ نہ ہوا پنجاب (یعنی وہاں ہوتے تو اور نوازتے) عشق بنیا نہیں ہے کہ سود وزیاں کا حساب کرتا پھرے، یہ کام عقل کا ہے، عشق تو بے خطر آتشِ نمرود میں چھلانگ لگا دیتا ہے، اور پہلے ہی قدم پر جان کی بازی لگا کر کامیابی

کی سند پاتا ہے۔ ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

بات سے بات یاد آتی ہے، ہمارے سلسلہ عالیہ کے عظیم بزرگ اور صاحبِ کیف وحال شیخ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادنوراللہ مرقدہٗ کی خدمت میں ان کے مریدِ باصفا مولانا حاجی محمد شفیع بجنوری حاضر تھے، یہ خود بھی بڑے صاحبِ جذب وکیف شخص تھے، اور حرمین شریفین حاضری کے مشتاق ودلدادہ، اس زمانے میں جب کہ حرمین شریفین کا سفر انتہائی دشوار گزار تھا، راہ کی صعوبتیں ایک سے بڑھ کر ایک، رہزنوں کا خطرہ، سمندر کی موجوں کی طغیانی، موسم کی شدت، بھوک پیاس کی مشقت، لوگ کشتیوں پر جھولتے ہوئے اور اونٹوں پر جھومتے ہوئے حرمین حاضر ہوتے تھے، کتنے راہ ہی میں جان کی بازی ہار دیتے تھے کہ ؎

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

جو مشقتوں کا صحرا اور صعوبتوں کا دریا عبور کرتے ہوئے آگے بڑھتے تھے اُن کو بھی قدم بہ بقدم یہ خیال ہوتا تھا کہ ؎

شبِ تاریک وبیم موج وگردابی چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

اس زمانے میں حرمین شریفین کا سفر واقعی عشق ومحبت کی کسوٹی تھا، کوئی ایک بار بھی حاضر ہو جاتا تھا تو غنیمت خیال کرتا تھا، ایسے دَور میں مولانا شفیع بجنوری متعدد بار حاضر ہوئے اور اُن کے عشق ومحبت کا یہ صلہ اُن کو ملا کہ عین موسمِ حج میں مکہ مکرمہ کی مبارک سرزمین نے اس مردِ باخدا کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ ہمیشہ کے لیے جنت المعلّی کے مکین بن گئے، ۸؍ذی الحجہ کو حالتِ احرام میں ان کا وصال ہوا، گویا کہ قیامت تک ان کے لیے حج کا ثواب لکھا جاتا رہے گا، یہی خوش نصیب انسان اپنے مرشد کامل شاہ فضل رحمٰن کی بارگاہ میں ہے، سفرِ حج پر روانگی قریب ہے، بارگاہِ مرشد میں سفر کا ذکر آیا، مرشد نے پوچھا: سفرِ حج کی کچھ تیاری بھی کی؟ کچھ انتظام بھی کیا؟ مرید پر شوق اور عق کی کیفیت طاری تھی، بے اختیار زبان سے یہ شعر نکلا ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

شعر سننا تھا کہ مرشد بھی بے خود ہوگئے، ایک زور کی چیخ ماری؛ لیکن فوراً ہی سنبھل گئے، ارشاد ہوا: سب واہیات ہے، شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے، اللہ اللہ کیسے تھے ہمارے اسلاف! شریعت وطریقت دونوں کے جامع، درکف جامِ شریعت سندانِ عشق کے مصداق، ہوشیاروں میں سب سے زیادہ ہوشیار اور مستوں میں سب سے زیادہ مست، مست بھی کون سے؟ مست مئے عہدِ الست، بلیٰ بلیٰ کا نعرہ مستانہ بلند کرنے والے، معرفتِ ربانی کے دریا میں غوطہ زنی کرنے والے، ایک مالک کے نام پر جینے اور اسی کے نام پر مرنے والے، نظام الملّت والدین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بوقت تہجد اپنی مناجات میں یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے توزیم
خا کے شوم و زیر پائے توزیم
مقصود مؤمن بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم از برائے توزیم

اور یہ صرف ان کا حال نہیں تھا، ہمارے بزرگوں، بڑوں اور اسلاف نے اسی طریقے کو چُنا تھا، وہ خشک مُلّا نہیں تھے، معرفتِ ربانی کے ذوق آشنا اور محبتِ الٰہی کے محرم اسرار تھے، شریعت ان کے سر کا تاج تھی اور طریقت اُن کے سینے کا راز اور ان دونوں کے درمیان توازن قائم رکھنا ان کا امتیاز، وہ پگڈنڈیوں کے راہی نہیں تھے، ان کے قدم ہمیشہ شاہراہِ شریعت وطریقت پر مستقیم رہے، سچے مسلمان، پکے صوفی۔

مدینہ منورہ کی نکھری اور اُجلی صبح تھی، حالتِ احرام میں ایک سیہ کار تنہا مسجدِ نبویؐ کی طرف رَواں دَواں تھا، ریحان نے ساتھ چلنا چاہا، مَیں نے منع کر دیا، مسجد نبوی میں داخل ہوا، رَگ وپے میں ٹھنڈک پھیل گئی، ساتھ ہی اضطراب بھی بڑھا، مسجد شریف تقریباً خالی تھی، زیادہ تر قافلے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، مقامی لوگ اور بچ کھچے عازمینِ حج قیام گاہوں پر ہیں، تُرکی حرم کا حصہ صفائی کے لیے بند تھا، اس کے قریب ہی ایک ستون کے پیچھے نماز میں مشغول ہوگیا، تحیۃ المسجد پڑھی، پھر توبہ کی نماز، پھر شکر کی نماز، پھر حاجت کی نماز، توبہ اس بات کی کہ وقت غفلت میں گزر چکا، شکر اس کا کہ ربِّ کریم! تُو نے اس مبارک مقام تک پہونچایا، التجا اِس تمنا کی کہ یہاں کی حاضری پھر نصیب ہو، اور ابھی کی حاضری قبول ہوجائے، نماز بھی آنسوؤں کے ساتھ پڑھی گئی اور پھر جب دعا کے لیے ہاتھ اُٹھے تو بندھ ٹوٹ گیا، اللہ! اس کریم بارگاہ کو چھوڑ کر جانے کا وقت آ گیا، اب یہ سایۂ رحمت کہاں ملے گا؟ یہ سنہری جالی کا منظر، یہ گنبد خضراء کا جلوہ، یہ روضۂ شریف کا نظارہ کب میسر آئے گا؟ جہان میں کہیں اور مجھ جیسے گنہگاروں کے لیے اَمان نہیں ہے، اگر کہیں امان ہے تو یہیں ہے، جس کی کملی میں مجرم منھ چھپا لیتے ہیں،

جس کی رحمت ورافت مؤمنوں کوسکون بخشتی ہے، جس کی رحمۃ للعالمینی کی چادر عادی خطا کاروں کوبھی سایہ فراہم کرتی ہے، جس کی ذات سخت دھوپ میں برگد کی ٹھنڈی چھاؤں ہے اور صحراء کی حدت وحرارت میں کوثر وتسنیم کا سرچشمہ ہے، ایسی پاکیزہ، شفیق اور غم خوار ہستی کی بارگاہ سے رخصت کی گھڑی ہے، بارِالہا! اس کا در چھوڑ کر جانا ہے جس کے ذریعے تجھ کو پہچانا ہے، پاک پروردگار! ایسے مقام سے واپسی ہے جو رشکِ ملائک ہے——دیر تک کج مج زبان میں عرض کرتا رہا، کچھ زبان نے کہا، زیادہ تر آنکھوں کے اشک نے۔ ؎

آنسو مِری آنکھوں میں ہیں نالے مِرے لب پر
سودا مِرے سر میں ہے تمنا مِرے دل میں ہے

نماز ودعا سے فارغ ہوکر باب السلام کی طرف برھا، الوداعی سلام پیش کرنا تھا، قدم بوجھل ہوئے جارہے تھے، روانگی کا وقت بھی قریب ہورہا تھا، جیسے تیسے بارگاہ میں حاضر ہوا، اللہ کے رسول! سیہ کار امتی کا سلام قبول ہو، وقت رخصت ہے، جاتو رہا ہوں؛ مگر کس دل سے؟ یہ بس دل ہی جانتا ہے، چند دن بس چند لمحات کی طرح گزر گئے، یہاں آکر بھی غفلت اور سستی سے پیچھا نہ چھوٹا، شرمندہ دل اور مضطرب روح کے ساتھ آپ کا در چھوڑ کر جارہا ہوں، آپ کے در سے اللہ پاک کے گھر کی طرف سفر کرنا ہے، اللہ پاک سے آسانی، قبولیت اور پھر سے مقبول حاضری کی دعا کردیجیے، دل میں جذبات واحساسات کا سیلاب اُمڈا جارہا تھا، آنکھ بہتی چلی جارہی تھی اور قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے، کوئی ہجوم بھی نہیں تھا، بس تھوڑے سے لوگ تھے، جو صلاۃ وسلام کا نذرانہ بارگاہِ نبوت میں پیش کررہے تھے، مگر شرطہ کو بڑی جلدی تھی، "یاحاج تحرّک" کی صدا بار بار کانوں سے ٹکرارہی تھی؛ اِس لیے بادلِ نخواستہ قدم آگے کی طرف بڑھے، حضرت ابوکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سلام کرتا ہوا نم آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھا، دروازے سے نکل کر پھر کھڑا ہوگیا، گنبد خضراء کا منظر سامنے تھا، پولیس والے یہاں بھی کھڑے نہیں رہنے دیتے ہیں؛ لیکن بھیڑ نہیں تھی تو کسی نے توجہ نہیں دی، کچھ دیر کھڑا رہا، گنبد کو دیکھتا رہا، حسرت کے آنسو بہاتا رہا، قریب میں ایک اور نوجوان بھی تھا، اس کے ساتھی تو سلام پیش کرکے آگے بڑھ گئے؛ مگر وہ صدمہ سے بے حال تھا، بلک بلک کر رو رہا تھا، احرام کی حالت تھی، ہاتھ آنکھوں پر اور بے قراری دیدنی، شمع نبوت پر جان لُٹانے اور اپنا آپ نچھار کرنے والے پروانے ایک دو نہیں، لاکھوں کروڑوں ہیں، زمانے کی گردشیں عشق ووارفتگی کے جذبات پر گرد نہ ڈال سکیں، مادیت اپنے تمام تر ہتھیار استعمال کرکے بھی جنونِ محبت کو شکست نہ دے سکی، آج بھی عشق زندہ ہے! آج بھی محبت پائندہ ہے! اور محبت بھی کیسی اور کتنی؟ جو جگر کو پگھلا دے، جو دل کو گرما دے، جو حساب کم وبیش اور فکر سود وزیاں سے بیگانہ کردے اور ذاتِ نبوی ﷺ کا دیوانہ بنادے، ایسا دیوانہ جس کی دیوانگی پر ہزار فرزانگی قربان۔

گنبد خضراء پر نگاہ جمائے کچھ دیر کھڑا رہا، دعا بھی مانگتا رہا اور صلاۃ وسلام بھی پڑھتا رہا، جہاں مدینہ پاک چھوٹنے کا غم تھا، وہیں احساسِ ندامت سے بھی دل لبریز تھا، وقت کی قدر نہ ہوسکی، یہاں کی خیرات وبرکات سے دامن نہ بھر سکا، درِفیض تو کھلا تھا مجھ سے ہی کمی کوتاہی ہوگئی، جہاں سر کے بل حاضر ہونا چاہیے تھا وہاں قدموں کے بل حاضر ہوا اور اپنی نادانی اور غفلت کی وجہ سے خسارے میں رہا، دل میں ندامت، آنکھ میں آنسو اور زبان پر یہ دعا لے کر قیام گاہ واپس لوٹا: ''**اللّٰھمّ لاتجعل عھدنا ھٰذا آخر العھد**'' اللہ! اس حاضری کو آخری حاضری نہ بنا، اپنے محبوبؐ کے شہر میں پھر بلا لے، مقبول حاضری سے مشرف فرمادے، قیام گاہ پر سامان تیار تھا، اہلیہ نے سامان ترتیب سے رکھ دیا تھا اور ریحان سلّمہٗ نے اسے نیچے اُتار دیا تھا، روانگی ساڑھے دس بجے تھی؛ مگر معلّم کی جانب سے بس آنے میں دیر ہوئی، کوئی ساڑھے بارہ بجے روانگی ہوئی، بس میں بیٹھے ہوئے اہلیہ مسجد نبویؐ کے میناروں پر نظر جمائے ہوئے تھیں، تھوڑی دیر کے بعد نہ جانے کیا خیال آیا کہ سسکیوں کیساتھ رو پڑیں، بس روانہ ہوئی تو ان کا رونا بڑھ گیا، ہمارے ٹُور کے ذمہ دار حافظ سلمان صاحب کے اصرار پر مَیں نے چند منٹ تقریر کی، پھر دعا کرائی، دعا میں رقت طاری ہوگئی اور ساتھیوں میں سے بہت سے رو پڑے اور دعاؤں کے ساتھ حج کی آسانی کی دعا بھی کی، اللہ پاک قبول فرمائے، ذوالحلیفہ پہونچ کر ظہر کی نماز باجماعت ادا کی، فقیر کی امامت میں سب نے نماز پڑھی، پھر دو رکعت نفل پڑھ کر تلبیہ پڑھا: **لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ**، یہ بھی کیسا پیارا ترانہ ہے، کیسی البیلی دعا ہے، کتنا خوبصورت التجا کا انداز ہے! گویا کہ پروردگار نے پکارا کہ میرے بندے! مادیت کے غلبے سے نکلے کر روحانیت کی طرف آ، ضلالت وشقاوت کے اندھیرے سے نکل کر ہدایت وسعادت کے اُجالے کی طرف سفر کر، نفس وشیطان کو چھوڑ، رب رحمان کی طرف آ، جہالت کی گھاٹی سے اُبھر، علم ومعرفت کی وادی میں بسیرا کر اور اس پکار پر بندہ دیوانہ وار دوڑتا ہوا پاک پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس ندا کے ساتھ کہ: ''**لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ**'' حاضر ہوں، میرے اللہ! مَیں حاضر ہوں، تُو نے بلایا، مَیں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، تُو نے طلب کیا، مَیں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، حمد وثنا تیرے لیے، نعمت اور بادشاہت تیری، ملک اور اقتدار تیرا (مَیں خالی ہاتھ ہوں اور سارا اختیار واقتدار تیرا ہے)، اللہ پاک بندے کو بلا رہا ہے کہ آ؛ تاکہ مَیں تیرا دامن نعمت سے بھر دوں، تیری جھولی مراد سے لبریز کردوں، تیرے گناہ معاف کردوں، تیری معصیت پر قلم عفو پھیر دوں، کتابِ زندگی کی ساری خطائیں دم بھر میں مٹادوں، شیطان کے بنائے قلعے کو مسمار کردوں، دل میں محبت ومعرفت کے

چراغ روشن کردوں، نگاہ کو عفت، زبان کو سچائی، کانوں کو حیا اور جسم کو طاعت کا مزہ دوں، پھول کی سی تازگی، پھل کی سی مٹھاس، ٹھنڈے پانی کی سی فرحت اور شبنم کی سی خنکی بخش دوں، یہ اعلان سُن کر بندہ پکار اُٹھتا ہے: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ ندا دی جارہی ہے کہ آ، مَیں تجھے اخلاق کی وسعت، فکر کی بلندی اور آفاقیت، کردار کی رفعت اور اعمال پر استقامت سے مالا مال کردوں، تیرے ذہن وفکر کے دریچے وا کردوں، تجھ پر نعمت وبرکت کے دہانے کھول دُوں، تجھے شہوتوں اور لذتوں سے دُور کردوں، تجھے اپنی ذات سے قریب کرلوں، یہ روح پرور ندا سن کر بندہ لپک کر آتا ہے اور پکار پکار کر اپنی حاضری درج کراتا ہے، لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ.

احرام کی حالت میں سب کی زبان پر تلبیہ جاری ہے، آس پاس اور بہت سے قافلے موجود ہیں، کچھ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ لبیک کی صدا بلند کررہے ہیں، ٹُور کے اکثر لوگ حج تمتع کررہے ہیں، یعنی مکہ مکرمہ پہونچ کر عمرہ کریں گے، احرام اُتار دیں گے، پھر ۸/ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھیں گے اور حج کریں گے، ہم لوگ چونکہ براہِ راست ہندوستان سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے؛ اِس لیے حج قران کی گنجائش تھی، ہم چاروں (راقم اور اس کی اہلیہ، ریحان اور اُن کی اہلیہ) نے حج قران کی نیت کی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے اور آخری حج کے موقع پر ذوالحلیفہ سے ہی احرام باندھا تھا اور حجِ قران کی نیت کیتھی، پھر اس سال بھی حج کا دن اور جمعہ کا دن ایک ساتھ آئے تھے، (جسے عام لوگ حج اکبری کہتے ہیں) اس سال بھی اللہ پاک نے دونوں مبارک دنوں کو اکٹھا کردیا ہے، ان مشابہتوں کے اکٹھا ہونے سے دل مسرور ہے، غلاموں کو آقا کی راہ پر چلنا نصیب ہورہا ہے، ۲۰۱۹ء میں بھی جب حج کے لیے حاضری ہوئی تھی تو حج قران ہی کیا تھا، اس سال بھی اللہ پاک پھر موقع دے رہا ہے، اس پر جتنا شکر ادا کروں کم ہے اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر کلہٗ! تلبیہ کی صداؤں کے ساتھ قافلہ روانہ ہوا، سب کے دل میں شوق بھی ہے کہ بارگاہِ ربِّ کریم میں حاضر ہورہے ہیں، منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں ٹھہریں گے، اللہ پاک کا حکم بجالائیں گے، ساتھ ہی خوف بھی ہے کہ حج کے ارکان صحیح سے ادا ہو پائیں گے یا نہیں؟ کہیں کوئی غلطی نہ ہوجائے، کہیں کوئی قصور ہوجائے! ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے کسی رُکن کی ادائیگی میں خلل نہ پڑجائے، شوق اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں قدم آگے بڑھ رہے ہیں، دیوار کے پیچھے کیا ہے؟ خدا جانتا ہے، زمانوں اور وقت کے پار کیا ہے؟ عالم الغیب کے علم میں ہے، جو ہونا ہے ہوکر رہے گا اور جو ہوگا وہ اللہ پاک کے حکم اور اشارے ہی سے ہوگا؛ اِس لیے سب اسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہیں، سب اسی سے خیر اور آسانی کی

التجا کررہے ہیں، سب کے دل اسی کے آگے جھکے ہوئے ہیں، سب کی نگاہیں اسی کی طرف لگی ہوئی ہیں، اے کریم! اے رحیم! اے حلیم! اے عظیم! تیری رحمت عام ہے، تیری بخشش لاکلام ہے، ہرمشکل کوآسان کرنے والا، ہرمصیبت کودُور کرنے والا، عافیت اورنعمت کے خزانوں سے مالا مال کرنے والا، توفیق وسعادت کی مایہ عطا کرنے والا تُو ہے، تجھ سے رحمت کا، کرم کا، عافیت کا، نعمت کا، توفیق کا، سعادت کا سوال ہے، التجا اور کسی کی نہیں تیری بارگاہ میں ہے کہ تُو ہی داتا ہے، تُو ہی پالنہار ہے، تُو ہی بخشندہ ہے، تُو ہی پروردگار ہے!

بس آرام دہ اور تیز رفتار ہے؛ البتہ جگہ جگہ چیک پوسٹ ہے، بار بار رُکنا پڑ رہا ہے، کہیں کہیں رفتار کم کرنی پڑ رہی ہے، وادی ستارہ کی مسجد جابر ابنِ سالم میں عصر کی نماز باجماعت پڑھی، مسجد میں داخل ہوا تو یاد آیا کہ اس سے پہلے بھی اس مسجد میں نماز پڑھ چکا ہوں، اس وقت مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جارہا تھا، غالباً فجر کی نماز یہاں پڑھی تھی، کہیں ڈائری میں لکھا ہوا ہوگا، وہیں ٹھہر کر شام کی چائے پی، پھر سفر شروع ہوا، میں تلاوت میں مشغول تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں کہیں پڑھا تھا کہ جب انہوں نے امام مالک علیہ الرحمۃ والرضوان سے علم حاصل کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا رختِ سفر باندھا تو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ اُونٹ پر جاتے ہوئے روزانہ ایک کلام پاک ختم فرماتے تھے، اس وقت امام شافعیؒ بالکل نوعمر تھے؛ مگر عبادت اور بندگی کا کیسا مزاج تھا، وقت کی قدردانی کس درجے کی تھی! اللہ پاک کے کلام سے کیسی مناسبت اور کس درجے محبت تھی! ائمہ اربعہ کے ذکر کے وقت عام طور پر صرف ان کے علمی رسوخ، فقاہت، ذہانت، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کا بیان ہوتا ہے؛ حالانکہ ان کا اصل کمال علم وعمل کی جامعیت، تقویٰ وطہارت، کثرتِ عبادت، زہد وقناعت اور توکل وانابت جیسی صفاتِ مؤمنانہ تھیں، عزت وعظمت کا تاج اُن کے سر کی زینت صرف ان کے علم کی وجہ سے نہیں بنا؛ بلکہ عمل واخلاص کا جوہر اُس کا اصل سبب تھا، علم والے تو دنیا میں اور بھی گزرے ہیں؛ مگر چمکے وہی جنھوں نے علم کو عمل سے جوڑا اور خشیتِ الٰہی سے سینے کو منور کیا، کیسے موقع سے مولانا روم یاد آگئے ؎

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود

مرشد کی مجلس تھی، علم وعمل پر گفتگو جاری تھی، ارشاد ہوا: کئی بڑے علماء کو مَیں نے دیکھا، علم پختہ تھا، ذہانت کمال درجے کی تھی، تقریر کرتے تھے تو موتی رولتے تھے، لکھتے تھے تو الفاظ کا تاج محل کھڑا کردیتے تھے، متحرک اور فعال بھی تھے، عوام سے رابطہ بھی تھا؛ مگر با فیض نہ ہوئے، شمع جلی، جل کر بجھ گئی، نہ مقبول ہوسکے، نہ فیض کا دائرہ بڑھا اور پھیل سکا، اُن میں کچھ ایسے بھی تھے جو میرے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، فقیر نے عرض کیا:

دادا جان! (عام طور پر یہ ناکارہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نوراللہ مرقدہٗ کے لیے دادا جان یا بڑے حضرت کا لقب ہی استعمال کرتا تھا) کی صحبت میں رہنے کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟ ان پر رنگ کیوں نہ چڑھا؟ مرشد کا مختصر جواب تھا، مولانا! آپ نے مولانا روم کا شعر نہیں پڑھا؟ ؎

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود

آہ! مرشد بھی کیا خوب انسان تھے! مختصر جملوں میں اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے والے، اشارے اشارے میں مشکلات کو حل کر دینے والے، واقعی ان کا وجود اس مصرعے کا مصداق تھا ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(اے وہ ذات کہ تیری ملاقات ہر سوال کا جواب ہے، بے شک تجھ سے بے قیل وقال ہر مشکل حل ہوجاتی ہے)

بات دُور نکل گئی، ذکر تھا امام شافعیؒ کا، مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے روزانہ ایک کلام پاک ختم فرماتے، یہ بات ذہن کے کسی گوشے میں چپکی ہوئی تھی، مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے ہوئے مسجد نبویؐ ہی میں نیت کی کہ یہ فقیر بھی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے سفر میں پندرہ پارے تلاوت کرے گا، بحمداللہ اوراد واذکار اور تلبیہ کی کثرت کے ساتھ تلاوت کی یہ مقدار اس وقت پور ہوگئی جب بس مکہ مکرمہ کی قیام گاہ کیسامنے رُک رہی تھی۔ **فللّٰہ الحمد والمنة.**

رات ساڑھے نو بجے کا وقت تھا، جب مکہ مکرمہ کی آبادی نظر آنا شروع ہوئی دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، شہر جلال آرہا ہے، پاک پروردگار کی تجلیات کا مرکز قریب ہورہا ہے، حرم محترم سے نزدیکی بڑھ رہی ہے، ''البلدالامین'' کی مبارک ہوائیں اور پُرنور فضائیں بس نصیب ہونے ہی والی ہیں، میرا عجیب حال ہے، مدینہ منورہ جتنا قریب آتا جاتا ہے شوق غالب ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ سے جتنا قرب بڑھتا ہے خوف کا غلبہ ہوتا ہے، دل ڈر جاتا ہے، کہیں کوئی غلطی نہ ہوجائے، کہیں بارگاہِ ربِّ ذوالجلال کے آداب کی خلاف ورزی نہ ہوجائے، یہ مقام کوئی عام مقام نہیں ہے، یہ مکہ مکرمہ ہے، روئے زمین کا افضل ترین مقام، یہ مہبط وحی اور مولد نبی ہے، برکتوں اور رحمتوں نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے، تجلیاتِ جلال رحمانی نے اسے مرکز انوار بنا رکھا ہے، یہاں کی عبادت ہر جگہ کی عبادت سے بڑھ کر، یہاں کی خطا بھی ہر جگہ کی خطا سے بڑھ کر، اس کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

بِالْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (ترجمہ:اور جواس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اُسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔) آیت قرآنی ڈرارہی ہے: خبردار رہو یہ مقامِ ادب ہے، ڈرتے رہو، یہ بارگاہِ ربِّ کبریا ہے، ہر غلطی سے بچو، ہر معصیت کے ارادے سے باز رہو، پاک مقام پر ہو، پاک اور پاکیزہ بن کر رہو، پاک پروردگار کے تقدس کا خیال رکھو، اس کی ذات کا استحضار پیدا کرو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے، تمہاری باتوں کو سن رہا ہے، تمہارے دل کے ارادوں سے واقف ہے، ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾، ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾.

لیجیے! خیالات اور تصورات کی دنیا سجی ہوئی تھی کہ مکہ مکرمہ کی آبادی شروع ہوگئی، "اللّٰهم إن هذا الحرم حرمک والبيت بيتک الخ" والی دعا زبان پر جاری ہوگئی، تلبیہ کی آواز بھی بلند ہونے لگی، آیا پروردگار آیا، تیرے دربار میں حاضر ہوگیا، ناپاک ہوں؛ مگر پاک جگہ آگیا، سیہ کار ہوں؛ مگر تیرے بلاوے پر حاضر ہوں، تُو نے بلایا، تُو نے اپنا مہمان بنایا، مَیں اِس قابل تو نہ تھا؛ مگر تیری عطا کا کوئی کنارہ نہیں، تیری نوازش کی کوئی انتہا نہیں، حاضر ہوں، اے پروردگار حاضر ہوں، رات کے ٹھیک دس بجے تھے جب بس نے "المختارون بلازہ" نامی ہوٹل کے سامنے پہونچا دیا، معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کی قیام گاہ یہی ہے، بس سے قدم نیچے رکھتے ہوئے بے اختیار یہ شعر یاد آیا ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(آسمان کے نیچے ادب کی ایک ایسی جگہ ہے جو عرش سے بھی نازک ہے، جہاں جنید اور بایزید جیسے بزرگ بھی سانس روک کر حاضر ہوتے ہیں)۔

بروز منگل: ۶/ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ، ۵/ جولائی ۲۰۲۲ء:

گزشتہ شب عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رات تقریباً دس بجے مکہ مکرمہ حاضری ہوئی، نماز اور کھانے سے رارغ ہوکر دو گھنٹے آرام کیا، پھر حرم شریف کے لیے روانہ ہوئے، ہوٹل حرم شریف سے کچھ فاصلے پر ہے، بابِ ملک عبدالعزیز سے داخل ہوکر آہستہ قدموں اور نیچی نگاہ کے ساتھ خانہ کعبہ کے قریب پہونچے، رات تا بہ کمر آچکی تھی، گھڑی کی سوئیاں ڈھائی بجنے کا اعلان کررہی تھیں، یہ قبولیت وقرب کا وقت عمرہ کے لیے مَیں نے جان بوجھ کر طے کیا تھا کہ عاشقوں کے لیے یہی وقت مناسب اور بہترین ہے، مطاف میں پہونچ کر نگاہ اُٹھائی، اللہ اللہ! کعبہ جلال اپنے تمام تر جمال کے ساتھ نگاہ کے سامنے ہے، نُور کی تجلی برس رہی ہے، کیسی رونق اور تازگی

ہے، کیسی کشش اور جاذبیت ہے، کیسا نُور اور سرور ہے، کس قدر پاکیزگی اور تقدس ہے، کالے پتھروں سے بنی ہوئی ایک سادہ سی عمارت؛ مگر خوبی اور خوبصورتی، شکوہ اور شوکت دنیا کی ہر عمارت سے بڑھ کر، تاج محل کی رعنائی اُس پر قربان، برج الخلیفہ کی بلندی اس پر نثار، لال قلعہ کی ہیبت اُس کے آگے ہیچ، لامکاں کے مکیں نے جب اس کو اپنا گھر قرار دے دیا تو ساری دنیا کے مؤمنوں کے لیے یہ کعبہ مقصود اور قبلہ آرزو بن گیا، حج کیا علان کا جب حکم دیا گیا تھا تو ابراہیم (علیہ السلام) حیران تھے یہاں آئے گا کون؟ میری صدا سُنے گا کون؟ مگر قدرت والے رب نے فرمادیا: اعلان کرو کہ اعلان تمہارا کام ہے اور تمہاری صدا کو انسانوں تک پہونچانا ہمارا کام ہے، آنے والے آئیں گے، پیدل بھی، سوار بھی ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ﴾ محبت کے متوالے، محبوب کے چاہنے والے ایسے اور اتنے آئیں گے کہ دنیا حیرت زدہ ہوجائے گی، عقل کے اندازے کہتے ہیں کہ اس بے آب وگیاہ سرزمین کا رُخ کوئی کیوں کر کرے گا، عشق کہتا ہے کہ یہی ریگستانی علاقہ اہلِ محبت کی آماج گاہ بنے گا اور دنیا دیکھے گی کہ یہاں وہ بھی آئیں گے جن کے پیر نہیں، وہ بھی پاک گھر کے گرداگرد عشق ووارفتگی میں چکر لگائیں گے، جن کی آنکھوں میں نُور نہیں، وہ بھی حاضری دیں گے جو حالات کے مارے اور آلام ومصائب کے ستائے ہوئے ہیں، آئیں گے اور بار بار آئیں گے، آئیں گے اور یہیں رہ جانے کی تمنا کریں گے، چشم فلک نے دیکھا عقل کے اندازے غلط ثابت ہوئے، عشق نے بازی مارلی اور دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام، ہزاروں بندگانِ خدا بیت اللہ کی زیارت، اس کے طواف اور اس سے محبت اور لگاوٹ کے اظہار کے لیے جمع رہتے ہیں، رات کے ڈھائی بج رہے ہیں؛ مگر طواف جاری ہے زوروشور کے ساتھ، دعا صدائیں، التجا کی ندائیں برابر بلند ہورہی ہیں، مرد بھی عورتیں بھی، جوان بھی بوڑھے بھی، صحت مند بھی کمزور بھی، سب ایک بے خودی کی کیفیت میں بڑھے چلے جارہے ہیں، چار دیوانے بھی خانہ کعبہ پر نظریں جمائے کھڑے ہیں، دل میں آرزوئیں، زبان پر دعائیں، رَگ وپے میں احساسِ شکر سموئے ہوئے، تو نے بلایا پروردگار، یہ تیرا کرم ہے، تُو نے یہاں تک پہونچایا یہ تیرا احسان ہے، تُو نے اپنا کعبہ دکھایا تیری مہربانی ہے، فقیروں کی جھولی میں تو کچھ بھی نہیں، ہاتھ اور دامن سب اعمال سے خالی، نہ دل پاک نہ نگاہ پاکیزہ، نہ طاعت کا ذوق نہ بندگی کی ادا؛ مگر نوازنے والے نے کس قدر نوازا، دینے والے نے کتنا کچھ دیا، روئے زمین کے سب سے مبارک مقام پر عین کعبۃ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں، احساسِ شکر نے آنکھوں سے اشک جاری کردیے، زبان پر دعا آئی: اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَتَعْظِیْمًا وَتَکْرِیْمًا الخ

دعا سے فارغ ہوکر طواف کے لیے بڑھے، حجر اسود سے طواف شروع ہوا؛ چونکہ طواف عمرہ کا ہے؛ اِس لیے

اضطباح اور رَمل کے ساتھ طواف کرنا ہے، طواف بھی کیسی عاشقانہ عبادت ہے، کیا بے خود کر دینے والا عمل ہے، محبوب کے کوچے میں حاضر ہو کر اس کے گھر کے اِردگرد دیوانہ وار چکر لگا رہے ہیں، جیسے کسی کو ڈھونڈھ رہے ہیں، جیسے کسی کو پانے کی طلب میں بے قرار ہیں، جیسے کسی کے قدموں پر نچھاور ہونا چاہتے ہیں، رات کا اخری پہر شروع ہو چکا تھا، تہجد کا وقت، قربِ الٰہی کی گھڑی، پاک پروردگار کی جانب سے منادی کی پکار کی ساعت، ایسے وقت میں طواف کا مزہ ہی کچھ اور ہے، کعبۃ اللہ کے گرد حالتِ احرام میں چکر لگا رہا تھا اور پاک پروردگار سے راز و نیاز میں مشغول! نہ الفاظ میں یارا ہے کہ دل کا حال بیان کرے، نہ زبان میں یہ قوت کہ محبّ ومحبوب کی باہمی گفتگو کو نقل کر سکے، ویسے بھی کیفیات لطیف ہوتی ہیں، الفاظ کے لباس کثیف میں آ کر اپنی لطافت کھو دیتی ہیں، دل کی چیز دل میں اچھی لگتی ہے، اور راز کی بات چھپانے کی ہوتی ہے نہ کہ دکھانے اور بتانے کی۔ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اقبال نے حرف راز برسر محفل کہہ دیا تھا؛ اِس لیے سزا کا اقراری ہوا۔

طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت واجب الطّواف پڑھی، زمزم پیا اور سعی کے لیے چل دیے، یہاں مطاف سے زیادہ بھیڑ تھی، سعی کے پانچ چکر ابھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ فجر کی اذان کا وقت ہو گیا، یہاں صبح صادق ہوتے ہی فجر کی اذان دے دی جاتی ہے اور نمازِ فجر خوب اندھیرے میں پڑھی جاتی ہے، وہیں مسعیٰ میں نمازِ فجر پڑھی، وظیفہ پڑھا اور سعی کے بقیہ چکر پورے کیے؛ چونکہ خواتین بھی ساتھ تھیں؛ اِس لیے مناسب یہ معلوم ہوا کہ طوافِ قدوم اور حج کی سعی کل کر لی جائے۔

بروز بدھ: ۷/ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ، ٦ ظ/جولائی ۲۰۲۲ء:

اللہ پاک نے متعدد مرتبہ حرمین شریفین حاضری کی سعادت بخشی، ہر مرتبہ مکہ مکرمہ حاضری کے وقت خوف کا غلبہ ہوتا ہے اور شروع کے دو تین دن ہیبت طاری رہتی ہے، یہ بارگاہِ ذوالجلال ہے، یہ عزیز ذوانتقام کا شہر ہے، یہ حرم محرم ہے، یہاں معصیت کا ارادہ بھی معصیت ہے، ہم تو سراپا خطا ہیں، مجسم معصیت ہیں، ذہن کو رحمتِ باری کی طرف جتنا بھی پھیرا جائے ہیبت کم نہیں ہوتی، یہی حال اس مرتبہ بھی ہے، طبیعت میں اضطراب ہے، ہیبت طاری ہوئی جارہی ہے، دل ڈرا ہوا ہے، بار بار دعا کے لیے ہاتھ اُٹھتے ہیں کہ بارِالٰہا! کوئی غلطی نہ ہو جائے، تیری شان اور مقام کے خلاف کوئی عمل نہ ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ تجھ کو راضی کرنے آئے اور ناراض کر چلے۔

ادھر کئی اسفار میں مکہ مکرمہ میں مختصر قیام رہا، گزشتہ شعبان میں حاضری ہوئی تھی، تب بھی چار پانچ دن ہی قیام

رہا، اس مرتبہ نسبتاً کچھ طویل قیام ہے، اللہ پاک مبارک کردے اور آداب کی رعایت کے ساتھ بہترین وقت گزارنے کی توفیق بخشے۔ (آمین یارب العالمین) گزشتہ شب پھر دیر رات کو حرم شریف حاضری ہوئی، طوافِ قدوم اور حج کی سعی کی، نمازِ فجر وہیں ادا کی، آج بھی شیخ ماہر المعقلی نے نماز کی امامت کی، سعی سے فارغ ہوکر دیر تک دعا کی، مروہ پر کھڑے ہوکر دیر تک مانگ رہے تھے، تھکن بھی تھی، سعی کے دَوران دعا ہی مانگتے رہے، اس کے باوجود دعا میں دل لگ گیا اور مانگنا چھوڑنے اور دعا ختم کرنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا، دعا بھی بڑی نعمت ہے، مانگ کر کچھ ملے یا نہ ملے اطمینان ضرور ملتا ہے، یہ احساس بھی دل کو مسرت بخشتا ہے کہ ہمارا بھی کوئی ہے، ہماری التجاؤں کو سننے والی ہستی بھی ہے، ہماری مانگ پوری کرنے والی ذات بھی ہے، کیسا کریم آقا ہے جسے بندوں کی دعا اور آہ پسند ہے، کیسا داتا ہے، پروردگار کہ دینے سے اس کا خزانہ خالی نہیں ہوتا، کیسا مہربان ہے مالک کہ دے کر خوش ہوتا ہے، دنیا کے انسانوں سے کچھ مانگیے ناراض ہوجائیں گے، اللہ سے نہ مانگیے تب وہ ناراض ہوتا ہے۔

اللّٰہ یغضب إن ترکت سؤالہ
وبني آدم حین یسأل یغضب

پھر یہ بھی کہ مانگنے کا اس سے بہتر مقام اور کون سا ہوگا، یہیں مانگنے والی نے اپنے رب سے مانگا تو اُس کے بچے کے لیے پاک پروردگار نے زمزم کا چشمہ جاری کردیا، پیاس ایک بچے کی تھی؛ مگر سارا عالم سیراب ہورہا ہے، حکایت ہے کہ کسی سخی سے ضرورت مند نے چار سو درہم کا سوال کیا، اُس نے اپنے خزانچی کو سائل کے لیے چار ہزار درہم کا رُقعہ لکھا، خزانچی نے خیال کیا کہ لکھنے میں غلطی ہوگئی چار سو کی جگہ چار ہزار کی رقم لکھ دی گئی، پوچھا میرے مالک! آپ کے قلم نے لغزش تو نہیں کھائی؟ سخی کا جواب خوبصورت تھا، ''اُس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا، ہم نے اپنی حیثیت کے مطابق دیا''، اللہ پاک سے بڑھ کر داتا اور کریم اور کون ہوگا؟ اس نے اسماعیل علیہ السلام کی پیاس تو بجھائی ہی، تمام مؤمنوں کے لیے تاابد چشمۂ زمزم کو جاری وساری کردیا، جو آتے ہیں وہ تو زمزم پاتے ہی ہیں، جو نہیں آتے اُن تک بھی جام بھر بھر کر پہونچتا ہے، دنیا حیران ہے کہ یہ کیسا چشمہ ہے، سائنس دانوں کا علم محوِحیرت ہے کہ اس پانی میں کیسی عجیب خصوصیات ہیں، زمانے کی گردش زمزم کے سوتوں کو خشک نہیں کرپائی، دنیا کے موسموں کی تبدیلی نے اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا، یہ چشمہ خشک بھی کیوں کر ہوسکتا ہے؟ کہ یہ ایک ماں کی بے قراری ہے، جو زمین چیر کر باہر آرہی ہے، یہ ایک ننھے بچے کی پیاس ہے جو سارے عالم کو سیراب کررہی ہے، پہلے زمزم صرف مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوتا تھا، اب برسوں سے مدینہ منورہ میں بھی زمزم ہی استعمال میں آرہا ہے، اخباری اطلاعات کے مطابق حرم شریف سے ساڑھے چار کلومیٹر دُور زمزم کے انتظام وانصرام کے لیے ایک

کا رخانہ قائم کیا گیا ہے، جہاں روزانہ دو لاکھ گیلن زمزم ذخیرہ کیا جاتا ہے اور زائرین کے استعمال کے لیے کیا جا گتا ہے، وہیں ٹینکر میں بھر کر مدینہ منورہ بھی زمزم کی سپلائی ہوتی ہے، یقیناً سعودی گورنمنٹ نے زمزم کے سلسلے میں جو اہتمام کیا ہے اور اسے جس حسنِ ترتیب اور حسنِ انتظام کے ساتھ عازمینِ حج اور زائرین تک پہونچایا جاتا ہے وہ لائقِ صد ستائش ہے، زمزم کے جو کولر حرم مکی اور حرم مدنی میں لگائے گئے ہیں اور جس ترتیب سے ان کو لبریز رکھنے اور ٹھنڈے اور نارمل زمزم کا نظام بنایا گیا ہے وہ بھی حسنِ انتظام کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

ترتیب کے اعتبار سے حاجیوں کو ۸؍ذی الحجہ کی صبح منیٰ جانا ہوتا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ۱۰ھ میں ۸؍ذی الحجہ کو چاشت کے وقت منیٰ کے لیے روانہ ہوئے تھے اور ظہر سے اگلے دن فجر تک پانچ نمازیں منیٰ میں ادا فرمائی تھیں، اس پر عمل سنت ہے؛ مگر اب عازمینِ حج کی کثرت کی وجہ سے بہت سے معلّم حضرات ۷؍ذی الحجہ کی رات ہی کو اپنے اپنے عازمینِ حج کو منیٰ منتقل کرنا شروع کر دیتے ہیں، آج ۷؍ذی الحجہ ہے اور ہم لوگوں کو بھی آج دیر رات کو منیٰ جانا ہے؛ اِس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حج قران کرنے والوں کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ حج کی سعی پہلے کر لیں؛ البتہ حج تمتع کرنے والوں کے لیے حج کی سعی طوافِ زیارت کے ساتھ بہتر ہے، اگر چہ کہ ان کے لیے بھی حج کی سعی کو مقدم کرنے کی گنجائش ہے، اس سے پہلے بھی ہم لوگوں نے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کر لی تھی، اِس سے یہ آسانی بھی ہو جاتی ہے کہ حج کے بعد بہت زیادہ ازدحام میں حج کی سعی نہیں کرنی پڑتی ہے؛ چونکہ حج قران کا احرام باندھا گیا ہے؛ اِس لیے حلق نہیں کرانا تھا، حج کا احرام باقی ہے اور وہ ۱۰؍ذی الحجہ تک باقی رہے گا؛ اِس لیے سعی سے فارغ ہو کر جب کہ صبح کا روشن اُجالا بڑی حد تک پھیل چکا تھا، حرم شریف سے قیام گاہ کے لیے لوٹے، طے یہ پایا کہ آج کی رات طوافِ قدوم اور حج کی سعی رات کو اُسی وقت کر لی جائے، قیام گاہ کے قریب ایک چھوٹی سی؛ مگر خوبصورت اور آرام دہ مسجد ''مسجد الراجحی'' کے نام سے ہے، وہیں نمازیں پڑھیں اور تلاوت اور ذکر کا معمول پورا کیا، **فللّٰہ الحمد و المنة.**

کہیں یہ لکھنا رہ گیا کہ فجر کی نماز شیخ ماہر المعقلی نے پڑھائی، ان کی آواز میں سوز و گداز خوب ہے، ائمہ حرم موقع کی مناسبت سے آیاتِ تلاوت کرتے ہیں، شیخ ماہر نے بھی پارہ نمبر ۱۳ کا آخری حصہ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ سے سورت کے آخر تک کا حصہ دونوں رکعتوں میں تلاوت کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ، اُن کی قربانی کا ذکر جمیل، البلد الامین کے لیے ان کی دعا، اولاد کے حصول پر اُن کا جذبۂ تشکر، ایسا محسوس ہوا کہ سارے واقعات آنکھوں کے سامنے آ گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے کر آئے ہیں اور اللہ پاک کے حکم سے اس بے آب و گیاہ سرزمین پر بے یار و مددگار چھوڑ کر جا رہے ہیں، ذرا دل پر

ہاتھ رکھ کر سوچیے ! چھوٹا سا بچہ گود میں، تنِ تنہا ایک خاتون اجنبی جگہ، نہ کوئی آدم نہ آدم زاد، نہ کوئی کفیل نہ کوئی مہربان، نیچے زمین اُوپر آسمان؛ مگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے توکل اور ان کے جذبۂ اطاعت پر میری جان قربان ! کہہ رہی ہیں کہ اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو پھر جایئے، وہ ہمیں کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا ! بڑے مراتب ہمیشہ بڑی قربانیوں کے بعد ملتے ہیں، اللہ نے بھی کیسی قدر دانی کی، جہاں وہ اپنے بچے کی فکر میں دوڑی تھیں، سارے مَردوں کو وہاں دوڑنے کا حکم دے دیا، ان کی ادا محفوظ کر دی ہے، ان کا تذکرہ بلند کر دیا، ان کی قربانی کی ایک یادگار تا ابد قائم کر دی، شیخ ماہر اللہ پاک کا پُر شکوہ کلام پڑھ رہے ہیں اور یہ فقیر بیتے ہوئے واقعات کو مجسم شکل میں دیکھ رہا ہے، پاک ہے اللہ ! پاک ہے اُس کا کلام ! پاک ہے یہ سرزمین اور سچا ہے اللہ کا یہ وعدہ: ﴿لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾.